UNIVERSAL LIBRARY

OU_224877

UNIVERSAL LIBRARY

اپنے نفس کی شناخت

KNOW YOUR OWN MIND

نو یور اون مائینڈ

عملی نفسیات پر ایک مختصر کتاب

مُصَنَّفَۂ

ولیم گلاوڑ

مترجمۂ

سید علی اکبر۔ ایم۔ اے (کنٹب)

صدر مہتمم تعلیمات بلدہ و ضلع اطراف بلدہ سرکارعالی

اپنے نفس کی شناخت

KNOW YOUR OWN MIND

نو یور اون مائینڈ

عملی نفسیات پر ایک مختصر کتاب

مُصنّفہ

ولیم گاؤز

مترجمۂ

سید علی اکبر۔ ایم۔ اے (کنٹب)

صدر مہتمم تعلیمات بلدہ و ضلع اطراف بلدہ سرکار عالی

۱۲	بارھوان باب - مشاہدہ	۱۵۶ تا ۱۶۶
۱۳	تیرھوان باب - تصدیق و استدلال	۱۶۷ تا ۱۸۵
۱۴	چودھوان باب - توجہ	۱۸۶ تا ۲۰۱
۱۵	پندرھوان باب - دلچسپی	۲۰۲ تا ۲۱۴
۱۶	سولھوان باب - چند عملی نتائج	۲۱۵ تا ۲۲۹
۱۷	سترھوان باب - ضروری اور اہم ضمیمہ	۲۳۰ تا ۲۳۵
۱۸	فہرست اصطلاحات	۲۳۶ تا ۲۴۶

پہلا باب

کیا نفسیات کا مطالعہ سود مند ہے؟

فرض کرو کہ کسی ایسے شخص نے موٹر خریدی جو عام طور سے بے بہرہ ہے اور خصوصاً موٹر کے کل پُرزوں سے بالکل (نابلد) ہے اور ایسے شخص نے موٹر چلانی شروع کر دی پھر تو عجیب دلچسپی کا سامان پیدا ہو جائیگا۔ ممکن ہے کہ موٹر نہ چلے یا رُک جائے یا انجن قابو سے نکل جائے یا جل اُٹھے اور آتشبازی کا تماشہ دکھلائے۔ اسی طرح کے ہزاروں حادثوں کے پیش آنے کا احتمال ہے۔ جب تک کہ موٹر سلامت ہے اُس کے چلانے والے کو اقسام کے اتفاقات پیش آئیں گے اور یہ سلسلہ اُسوقت تک جاری رہے گا جب تک کہ اُس بیچاری موٹر کی مصیبت زدہ زندگی کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں کہ موٹروں کی بناوٹ کے جملہ کل پُرزوں کا تفصیل وار علم موٹر چلانے والے کی نوک زبان پر ہو بلکہ موٹر کے کل پُرزوں کا تھوڑا بہت علم اُس کے چلانے والے کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے۔ اگر کوئی بے کھٹکے موٹر چلانا چاہتا ہے تو اتنا اُس کو ضرور جاننا چاہیئے کہ اگر اس پہیئے کو

موٹریں تو کیا ہو گا۔ یا فلاں لیور کو متحرک کریں تو کیا نتیجہ نکلے گا۔ بہت سے ایسے بھی موٹر چلانے والے ہیں جو سٹر پٹر کچھ جان لینے کے بعد موٹر چلانے لگتے ہیں اور ساتھ ہی اس کے نہ موٹر کو کوئی صدمہ پہنچتا ہے اور نہ کسی کی جان تلف کرنے کی پاداش میں فوجداری کی سزا بھگتنی ہوتی ہے۔ تاہم ایسا چلانے والا ضرور گھاٹے میں رہتا ہے کیونکہ اُس کو معلوم نہیں کہ آناً فاناً میں کیا سے کیا ہو جائے گا۔ اگر کوئی حادثہ پیش آ گیا اور کوئی پرزہ بگڑ گیا تو ایسی حالت میں وہ اس فن کے مبُصّر کی امداد کا حاجتمند ہوتا ہے۔

اپنی گاڑی آپ چلانے میں خاص لطف ضرور آتا ہے مگر بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ یہ لطف اکثر لوگوں کو میسّر نہیں ہے۔ تاہم ہم میں سے ہر فرد بشر کے پاس ایک چھوٹی سی کل ہے جو موٹر سے زیادہ پیچیدہ ہے اور طُرّہ یہ ہے کہ اس کل کے استعمال پر سب مجبور ہیں خواہ وہ اس کو سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں۔ خیریت اتنی ہے کہ یہ کل خود بخود چلتی ہے اور بغیر اس کے کہ اس کا مالک اور چلانے والا اس پر کوئی خاص توجہ کرے وہ چلتی رہتی ہے۔ لیکن اگر اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو پھر دیکھئے کیسے کیسے رنگ بدلتی ہے۔ کبھی تو یہ ہم سے بھاگتی ہے۔ کبھی شارع عام کے ہجوم میں کترا کر نکل جاتی ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے تو غالباً مبالغہ نہ ہو گا کہ وہ ہم کو بجائے صحیح راستہ کے اکثر غلط راہ کی طرف لے جاتی ہے۔

بلااس کے کہ اور پہیلیاں بوجھائی جائیں اس ذراسی کل کا نام جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے "نفسِ انسانی" ہے۔

میں نے اوپر کے فقرہ کا آخری لفظ ختم کیا ہی تھا کہ یکایک مجھے ایک غیر متعلق خیال ایک پھول کا آگیا۔ یہ خیال کہاں سے آیا؟ کیونکر پیدا ہوا؟ آیا بغیر کسی طلبی کے موجود ہوگیا؟ اکثر نفوس ایسے بھی ہوتے ہیں جو ناپائیدار، پُرسریع اور بظاہر غیر متعلق اور بے ربط خیالات، مرقعات اور تصورات کا جولان گاہ بنے رہتے ہیں۔ برایں ہم یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ ان گوناگوں مظاہر کا کوئی سبب ضرور ہے کیونکہ یہ قوانینِ قدرت کے مطابق واقع ہوتے اور غائب ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی نمایاں ہوتے اور دھندلے پڑجاتے ہیں اور کبھی دماغ میں بھر جاتے اور پھر لایعنی ثابت ہوتے ہیں۔ اگر ہم ان قوانین کو جان لیں تو کیا یہ ہمارے لئے مفید نہ ثابت ہوں گے؟ کیا ان کے ذریعہ سے منتشر خیالات کی باگ ہمارے ہاتھ میں نہ آجائیگی تاکہ اُن سے مفید و مستقل کام لیا جاسکے؟

آلیورونڈل ہومز کہتا ہے کہ "نفس کے شگفتہ پھول نطق میں آنے کے بعد اپنی آدھی پنکھڑیاں کھو بیٹھتے ہیں" یعنی جو عمدہ خیالات دماغ میں پیدا ہوتے ہیں گفتار میں اُن کی عمدگی بہت کچھ ضائع جاتی ہے۔ اگر ہم تربیت نفس پر کم سے کم اتنی توجہ کرتے جتنی کہ ایک باغبان گلاب

کی برداشت میں کرتا ہے تو بعید کیا تھا کہ یہ پنکھڑیاں ایسے تکلیف دہ طریقہ پر نہ بکھرتیں۔

شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جس کو اس قسم کا تجربہ اپنی عمر میں نہ ہوا ہو کہ وہ خالص دماغی کام کرنے پر آمادہ ہوتا ہے۔ ایک مشکل مسئلہ اس کو حل کرنا ہے جس کے لئے وہ بہترین قویٰ کو جمع کرتا ہے۔ مگر وہ جان توڑ کوششوں کے بعد بھی یہ نہیں معلوم کر سکتا کہ کیوں اُسکے بہترین قویٰ اُس کے حسب منشا، کام نہیں دیتے۔ بلکہ اُن کے بجائے مہمل اور کمزور تصوّرات کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ کو اِسٹیونسن یوں ادا کرتا ہے کہ طبل جنگ کی صدا پر لبیک کہنے والے صرف فوج کے ادنیٰ سپاہی ہوتے ہیں نہ کہ دماغی لشکر کے بڑے بڑے افسر جو اپنے اپنے خیموں میں دبکے رہتے ہیں۔ اِس طرح دبک جانے یا ادائے فرض سے قاصر رہنے کا یقینی کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے اور انسان کا یہ کھلا ہوا فریضہ ہے کہ وہ اُن افواج کا سپہ سالار ہونے کی حیثیت سے اس سبب کو دریافت کرے۔

ہم اپنے بچوں کو دس دس بارہ بارہ بلکہ پندرہ پندرہ سال تک مدرسہ بھیجتے ہیں پھر بھی یہ شکایت رہ جاتی ہے کہ تعلیم نے خاطر خواہ جیسی توقع تھی اُن پر اثر نہیں کیا۔ یہ شکایت بلا سبب نہیں ہوتی یہ بات نہیں ہے کہ اس میں اساتذہ کی کاہلی کو دخل ہو۔ البتہ ان کی کوششیں بے محل

ضرور ہوتی ہیں اس لئے کہ عملِ تدریس اصولِ نفسیات کے قدم بقدم نہیں رہا۔ لوگ جن اسباب کو تعلیمی نظام کی کم و بیش ناکامی کا باعث تصوّر کرتے ہیں اُن میں غالباً سب سے بڑی وجہ ناکامی کی یہی ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے نوجوان عملی دُنیا میں اپنا کاروبار انجام دینے کے لئے نہایت ناقص ساز و سامان کے ساتھ داخل ہوتے ہیں۔ اُنہوں نے کیسی ہی تعلیم کیوں نہ پائی ہو بہر صورت وہ نفسیات سے ناواقف ہوتے ہیں کیونکہ یہ اُن کے تعلیمی نصاب میں شریک نہیں۔ غیر مستقل اور متلوّن مزاج لوگوں کو اکثر الزام دیا جاتا ہے کہ وہ "اپنے نفس کو نہیں پہچانتے" اگر الفاظ کے مفہوم کو دوسرے معنوں میں لیا جائے تو یہی الزام عموماً فارغ التحصیل طلبہ پر بھی عائد ہوتا ہے۔ یہ غریب بھی اپنے نفس کو نہیں پہچانتے اور نہیں جانتے کہ اس کا عمل کس طرح ہوتا ہے، وہ کیسے ترقی کرتا اور نشوونما پاتا ہے۔ کلچر اور تمدّن کے قابل یادگار عہود سے وہ محض نابلد ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کیونکر علم کے ذریعہ سے دماغی قوت کو ترقی دی جائے۔ منتشر جزئیات اور خیالات کو کلیات اور مسلّمات کی صورت میں کیونکر تنظیم دی جائے۔ بہترین سیرت کو پیدا کرنے کے قطعی اور لازمی طریقے کیا ہیں؟ اور اسی طرح کے دوسرے امور کا جو اُن کی فلاح و بہبود کے لئے ناگزیر ہیں اُن کو محض دُھندلا سا تصوّر ہوتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ نفسیات کی تعلیم مدارس میں باقاعدہ اور پوری پوری دی جائے۔ بلکہ جس طرح اصول حفظ صحت اس وقت داخل نصاب ہے اسی طرح حفظ نفس کے مضمون کو نصاب میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ اور اگر معلّم قابل ہو تو وہ اس مضمون کو نہایت دلچسپ اور مفید بنا سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آنے والی نسلیں نشوونما پاتی ہیں مگر اپنے نفس سے تقریباً یا بالکل لاعلم رہتی ہیں اور اس کی وجہ سے آیندہ عملی زندگی میں اس کمی کی تلافی نہیں کر سکتیں۔ جس کا انجام یہی ہوتا ہے کہ طرح طرح کی حماقتوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ حیاتِ عملی کے ہر شعبہ میں مثلاً انتخاب زن و شوہر۔ پیشہ یا تجارت۔ دولت یا کسی تفریحی مشغلہ یا ڈھن کے انتخاب میں غلطیاں ہوتی رہتی ہیں نہ صرف یہی۔ بلکہ دماغی قوّتوں کے ضبط اور اُن پر پوری قدرت حاصل کرنے اور اضافی معاملات میں لغزشیں واقع ہوتی ہیں۔ فی الحقیقت علم النّفس کا تھوڑا سا علم ان روزمرّہ کی غلطیوں اور لغزشوں کو رفع کر سکتا تھا۔ ایسے لوگ باوجود ان خامیوں کے جب عمرِ طبعی کو پہنچ جائیں جو حقیقت میں بجا طور پر قابل احترام زمانہ ہے تو انہیں خدا کا شکر بجا لانا چاہیئے جس نے انجام بہ خیر کیا اگرچہ ان کے اعمال تو اس قابل نہ تھے۔

ہزاروں اشخاص ایسے بھی ہیں جو جھٹکے لگائے ذلّت کے ساتھ

گلیوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ ان کو شراب خواری۔ صحبتِ بد۔ آرام طلبی اور بد اعمالیوں نے تباہ کر دیا ہے مگر ہم گہری نظر سے دیکھیں تو یہ پتہ چلے گا کہ اس طبقہ کی پہلی لغزش محض اسکے جہل کی وجہ سے تھی اگرچہ ان کی بعد کی پستی اور تنزّل کا سبب جہل نہ رہا ہو۔ ۔۔۔

کیا ہماری یہ تمنّا ہے کہ ہماری بُری خواہشیں کمزور اور ارادے مضبوط ہو جائیں؟ کیا ہم اس کے متمنّی ہیں کہ مناسب موقعوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں؟ خلاصہ یہ کہ آیا ہم قوتِ خود اختیاری اپنے میں پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہو تو نفسیات یا علم النّفس اس بارے میں ہم کو ایسے اُصولی اُمور سے آگاہ کرے گا جو ہماری رہبری کر سکیں گے۔ پس ظاہر ہے کہ علم النّفس کا مطالعہ یقینی سود مند ہے۔

پوپ کہتا ہے کہ "بنی نوع انسان کے مطالعہ کی چیز خود انسان ہے" انسانی عضویّات میں نفس انسانی ایک نہایت اہم چیز ہے۔ اس علم کا نام ذرا ثقیل ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر فرد بشر بالا رادہ یا بلا ارادہ اس کی تحصیل میں مشغول ہے۔ وہ بھیدی جو اپنے پڑوس کے معاملات کی گہری جستجو کرتا ہے۔ وہ پیام سلام لیجانے والا لڑکا جو سڑی گلی چیزیں کھاتا ہوا در بدر مارا پھرتا ہے، وہ معزّز شخص جو ایسی ناولوں کو پسند کرتا ہے جس میں کچھ قصہ نہیں ہوتا اور تخیل زیادہ ہوتی ہے۔ وہ

بیگم صاحبہ جو اس کی منتظر ہیں کہ کب ان کا شوہر شکم سیر ہو کر کھانا کھالے اور وہ نئی پوشاک کی فرمایش کریں۔ یہ سب کے سب ایک طرح سے علم النفس کی تحصیل میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر ہے یہ کہ ان لوگوں کی تحصیل زیادہ تر وقتیہ اور بے اصول ہوتی ہے جس میں اساسی اصول کے معقول نظام کی کمی ہوتی ہے اور اس کا علم النفس سے بہت کم تعلق ہوتا ہے یا مطلق نہیں ہوتا۔

اس موقع پر اس امر سے آگاہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نفسیات ایک علم ہے نہ کہ فن۔ میں اس فرق کو بذریعہ تمثیل واضح کرنا چاہتا ہوں۔

میں ایک مرتبہ انگلستان کے زرعی علاقے میں سفر کر رہا تھا کہ ایک ریلوے اسٹیشن پر ایک کسان میرے درجہ میں داخل ہوا جس میں اتفاق سے میں تنہا تھا۔ یہ شخص بڑا باتونی تھا اور خواہ مخواہ اس نے مجھ سے اپنے ذاتی حالات بیان کرنے شروع کر دئے۔ ان میں ایک واقعہ یہاں بیان کرنا برمحل ہوگا۔ اس نے کہا کہ میں مسٹر بلینک کی اراضی سے واپس آرہا ہوں۔ کیا آپ ان سے ناواقف ہیں؟ اچھا تو آپ زراعت پیشہ نہیں ہیں۔ کیونکہ ہر کسان مسٹر بلینک کو جانتا اور پہچانتا ہے۔ صاحب موصوف سوّروں کے بڑے ماہر ہیں اور ملک کی چھوٹی بڑی تمام نمایشوں میں سوّروں

کو دیکھتے بھالتے ہیں اور اِس موضوع پر اُنکی کتاب موسومہ "پرداخت خنزیر" (The Management of the Pig) ایک مستند حیثیت رکھتی ہے - بہرحال جیسا کہ میں نے ابھی کہا میں اُن کی اراضی سے چلا آرہا ہوں اس سے پہلے میں وہاں کبھی نہیں گیا اور نہ آیندہ جانے کا قصد ہے اس لئے کہ وہاں کے حالات کو دیکھکر میں متحیر بن گیا اور اب تک میرے حواس پراگندہ ہیں- حتیٰ کہ میں اپنے چشم دید مشاہدہ کا بھی اعتبار نہیں کرسکتا- آپ کچھ سمجھے جناب! مسٹر بلینک کے سوّر کیا تھے- کسی عجائب خانہ کے پردہ کی تصویر کی طرح ساکت و سامت، نہ بولنے کی قوت نہ چلنے کی طاقت، حد درجہ حقیر و لاغر، نہایت ہی بدحال اور خارش میں مبتلا - گویا ہڈیوں کے ڈھانچے تھے -

نفسیات میں بھی سوّروں کی نگہداشت کی طرح محض قواعد اور اصول کے مجموعہ کو جسے سائنس کہتے ہیں جاننا اور چیز ہے اور ان قواعد کو عملی شکل میں لانا اور چیز ہے- سائنس کے لئے محض علم درکار ہے مگر فن کے لئے عمل کی ضرورت ہے جس میں کامیابی ذاتی ہمّت و حکمت عملی جِدّت و ذہانت پر موقوف ہے -پس معلوم ہوا کہ محض نفسیات کا جان لینا ہمارے نفسیاتی نظام کی اصلاح کا ضامن نہیں ہوسکتا- سائنس کا کام صرف اسی قدر ہے کہ وہ قبل از قبل ہم کو یہ بتلا دے کہ فلاں طریقہ غلط ہے اور قطعاً اس

میں کامیابی نہ ہوگی یا یہ کہ فلاں طریقہ درست ہے اور یقیناً اس میں کامیابی ہوگی ۔ اس طور پر نفسیات کی مدد سے نہ صرف ہم متعدد تباہ کن لغزشوں سے بچتے ہیں بلکہ اس سے ہماری ہمّت افزائی بھی ہوتی ہے اور ہم استقلال اور اطمینان کے ساتھ اُس راستہ پر گامزن ہوتے ہیں جو لامحالہ ہمیں سلامتی کی طرف لے جاتا ہے ۔

دوسرا باب

بدن اور ذہن

نفسیات سے مراد ہے مطالعہ نفس۔ مگر نفس کیا چیز ہے؟

یہ سوال پیچیدہ اور غور طلب ہے اور اس کے جواب کی کوشش میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں مگر ہماری موجودہ ضرورت کے لحاظ سے جو محض عملی ہے ہم اسکی تعریف یوں کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے جملہ خیالات، تاثرات اور افعال ارادی کا مجموعہ ہے۔ یہ تعریف سلیس اور واضح ہے اور شاید ہی کسی کو اس کی صحت میں کلام ہو۔

میں ایک کرسی پر بیٹھا ہوں اور کرسی کے چار پائے ہیں۔ اب یہ کہنا غلط ہوگا کہ پائے کرسی میں داخل ہیں۔ وہ کرسی میں داخل نہیں ہیں بلکہ اس کا لاینفک جزو ہیں۔ یا مثلاً میں کھڑکی سے دیکھتا ہوں اور خیال آتا ہے کہ رات بڑھ رہی ہے۔ یہ خیال نفس کے اندر داخل نہیں بلکہ نفس کا ایک جزو ہے۔ جس طرح پائے کرسی کے جزو ہیں اسی طرح میرے خیالات، تاثرات اور اعمال ارادی میرے ذہن کے اجزاء ہیں۔

تھوڑی دیر میں ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ بعض ایسے واقعات ہیں جو فی الوقت ہمارے شعور میں موجود نہیں ہیں مگر جن کے پیدا ہو جانے کا ہر لحظہ امکان ہے۔ یعنی وہ واقعات جنکے متعلق ہم کو کبھی خیال یا احساس یا تجربہ ہو چکا ہے اور جو کسی وجہ سے فی الوقت شعور سے محو ہو گئے ہیں ممکن ہے کہ وہ پھر عود کر آئیں۔ اس قسم کے واقعات کا ہم پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے اور یہ نہایت ہی اہم خیال کئے جاتے ہیں چنانچہ شعور حال کے واقعات اور شعور ماضی کے حقایق یہی دونوں باہم ملکر نفس کہلاتے ہیں۔

واضح ہو کہ نفس کا تعلق مادّی دنیا کے ساتھ دماغ اور نظام عصبی کے ذریعہ قائم ہے اور ہم کہا کرتے ہیں کہ دماغ عضو نفسی کا آلۂ کار ہے۔

دماغ ایک بھورا رنگ لئے ہوئے سفید لوتھڑا ہے جو کاسہ سر کے استخوانی صندوق میں محفوظ ہے۔ وہ عصبی ریشوں اور عصبی خلایا کا حیرت انگیز گورکھ دھندا ہے۔ ان خلایا کے گُچھے کے گُچھے تمام بھیجے میں جمع ہیں اور ان ہی سے ایک بالائی غلاف بھی بنتا ہے جس کو قشر کہتے ہیں۔ جب بعض خلایا ہیجان میں آتے ہیں تو کوئی خیال، تأثر یا عملِ ارادی پیدا ہوتا ہے۔ ریشوں کے ذریعہ سے دماغ کے مختلف حصوں کے خلایا کے مجموعے باہم وابستہ و مربوط ہیں اور یہی ریشے تہیّجات کو ایک خلیہ سے دوسرے خلیہ اور بھیجے کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کو منتقل کرتے ہیں۔ عصبی ریشے صرف دماغ ہی میں

نہیں ہیں۔ بلکہ تمام بدن میں موجود ہیں ان کا کام یہ ہے کہ بدن کے کل حصوں سے دماغ کو اور دماغ سے عضلات کو پیام سلام پہنچائیں۔

ذیل میں ایک نقشہ دیا گیا ہے جس سے ذہن اور عصبی ریشوں کا فعل واضح ہو گا:—

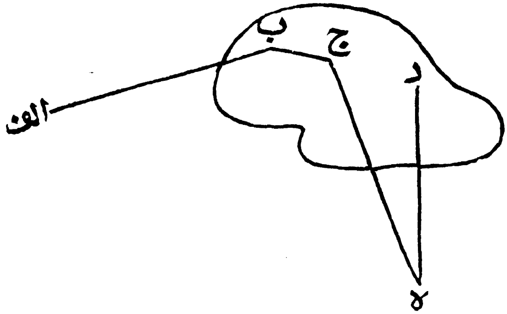

فرض کرو کہ جلد کے کسی کھلے ہوئے حصہ پر ایک بھڑ بمقام الف بیٹھ جائے تو عصبی ریشوں کی وساطت سے عصبی خلیات کے ایک مجموعہ ب کو جو دماغ کے قشر میں واقع ہے فوراً ہی اسکی اطلاع ملتی ہے اور ب کو جوں ہی یہ پیام پہنچتا ہے نفس کو ایک حِس کا شعور ہوتا ہے (حِس) کو ہم زنبوری حِس کہہ سکتے ہیں۔ اگر آپ مجھ سے دریافت کریں کہ یہ شعور کیا ہے تو اس کا جواب دینے سے میں قاصر ہوں اور شاید کوئی دوسرا شخص بھی اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ یہ منجملہ اُن چیزوں کے ہے جن کے وجود کا

ہم سب کو علم ہے لیکن ان کو کوئی سمجھا نہیں سکتا۔ اس لئے ہم اس کو یہیں ختم کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

نقطہ ' ب سے جو زنبور کے جس کا مرکز ہے عصبی ریشے قشر کے ایک دوسرے حصہ ج میں ہیجان پیدا کرتے ہیں اور یہاں سے اس کو عضلات یعنی نقطہ ھ تک پہنچا دیتے ہیں۔ یہ عضلات دست و بازو کو حرکت دیتے ہیں تاکہ ناخواندہ مہمان دفع ہو جائے۔ اس حرکت کا احساس قشر میں خلایا کے ایک مجموعہ یعنی د تک پہنچتا ہے۔

واقعات مذکورۂ صدر کے دوران میں دو مرتبہ شعور پیدا ہوا۔ ایک تو اُس وقت جب کہ نقطہ ' ب پر بِھڑ کی موجودگی کا وقوف ہوا۔ دوسرے اُس وقت جب کہ حرکت عضلی کا احساس نقطہ ' د پر ہوا۔

ان واقعات کے تسلسل کو جو دفعیہ زنبور پر منتہی ہوا ہم عمل ہیجانی کہتے ہیں۔ یہ نسبتاً سیدھا سادہ فعل ہے اور ادنیٰ درجہ کے جانوروں اور جنوبی امریکہ کے اُن گائے چرانے والے لڑکوں میں پایا جاتا ہے جو پہلے تو گولی چلا دیتے ہیں اور بعد میں تحقیقات کرتے ہیں اور یہ فعل اکثر و بیشتر اُن لوگوں سے بھی سرزد ہوتا ہے جو عادتاً ذہن میں جو بات آئے فوراً کہہ ڈالتے ہیں۔

ایک دوسری مثال لیجیے جو مقابلتاً کسی قدر پیچیدہ ہے۔

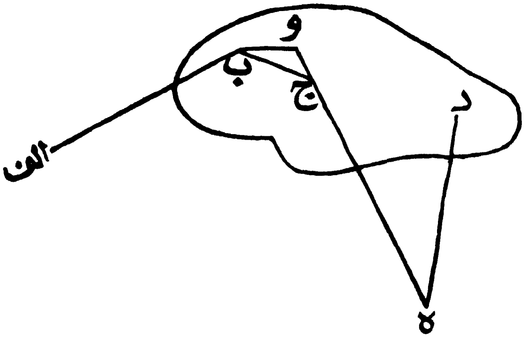

ایک بد دیانت آدمی کسی دوسرے شخص کے روپے پیسے نقطہ الف کے مقام پر پڑے ہوئے دیکھ پاتا ہے۔ اس واقعہ کی اطلاع کہ یہاں سکے پڑے ہوئے ہیں بصری عمل کے ذریعہ سے نقطہ ب پر ہوتی ہے اور اگر کُل کا کُل عمل ہیجانی ہے تو ب سے ج اور وہاں سے عضلات یعنی نقطہ ہ کو پیام پہنچے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مال غنیمت اسی طرح اُڑا لیا جائے گا جس طرح بھڑ اُڑا دی گئی تھی۔

لیکن ممکن ہے کہ نقطہ ب پر ہیجان کی رو پھٹ کر دو شاخہ ہو جائے اور ایک شاخ و پر پہنچ جائے جو افکار عاقبت بینی کا مرکز ہے۔ اب اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ اگر روپیہ چرالوں تو غالباً سزا ملے گی۔ اس لئے کسی مزید کارروائی سے روکنے کے لئے ایک دوسرا پیام و سے ج پر

پہنچے گا اور وہ روپیوں کو ہاتھ تک نہیں لگائے گا۔

اس لئے افکار ثانیہ گو ہمیشہ اور لازماً نہ سہی اکثر موقعوں پر بہترین ثابت ہوتے ہیں۔ اُن سے یہ فائدہ ہے کہ غور کرنے کے لئے ہمیں وقفہ مل جاتا ہے۔ یہ وقفہ تلازمات دماغی کی تشکیل میں سہولت پیدا کرتا ہے جن کا اثر ہمارے افعالِ نیک و بد پر پڑ سکتا ہے۔

لیکن بعض اشخاص میں خارجی مہیّج کی ابتدائی رَو کو جس کا طبعی نتیجہ عمل ہوتا ہے روکنے کی عادت حد سے زیادہ ہوتی ہے۔ وہ اپنے ہیجانوں کی ضرورت سے زیادہ روک تھام کرتے ہیں۔ چنانچہ شکسپیر کے پیشِ نظر غالباً ایسے ہی تصمیم پسند بدبخت ہوں گے جبکہ اُس نے حسبِ ذیل تحریر حوالۂ قلم کی کہ "بعض امور ایسے مساوی اہمّیت کے ہوتے ہیں کہ ناقدانہ تجسّس کے بعد بھی یہ فیصلہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ کس کو اہمّیت دیکر منتخب کیا جائے" اور پھر ایک جگہ کہتا ہے "علیٰ ہٰذا عزمِ مصمم کا فطری رنگ فکر کی ہلکی پرچھائیں سے متغیّر ہو جاتا ہے"۔

جو اعصاب باہر سے دماغ کو پیغامات لے جاتے ہیں وہ حِسّی اعصاب کہلاتے ہیں۔ اور جو دماغ سے عضلات کو پیغامات لے جاتے ہیں ان کو حِرکی اعصاب کہتے ہیں۔

بدن کے مختلف حصّوں کا دماغ کے مختلف قطعات سے ربط و تعلّق

اعصاب کے ذریعہ سے قائم ہے۔ اولاً نظام حسّی کو لیجئے۔ دماغ کے بعض قطعات محض لمسی یا بصری تحریکات کے لئے وقف ہیں اور بعض سمعی یا شمّی کے لئے ہیں۔ دماغ کے ان جداگانہ قطعات کو لمسی۔ بصری۔ سمعی اور شمّی قطعات کہیں گے۔

علاوہ بریں چہرے، حلق، پاؤں، بازو وغیرہ کے عضلات کو تہیّجات پہنچانے کی غرض سے علٰحدہ علٰحدہ حرکی قطعات مقرر ہیں۔

بالآخر تلازمی رقبات ہیں جہاں وہ اعصاب کام کرتے ہیں جو دماغ کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ سے ملاتے ہیں۔

پس درحقیقت دماغ ایک عضو نہیں ہے بلکہ کئی مختلف اعضاء سے مل کر بنا ہوا ہے۔ ہر ایک علٰحدہ اور ممتاز ہے لیکن چونکہ یہ سب اعضاء سیکڑوں بلکہ ہزاروں باریک اعصابی ریشوں سے باہم مربوط و وابستہ ہیں اس لئے یہ سب مل کر ایک عجیب پیچیدہ جال سا بن جاتا ہے۔ بہرحال دماغ میں نمایاں طور پر مختلف حصّوں کے مختلف کام ہوتے ہیں لیکن واضح رہے کہ علم کاسہ سر سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس علم کے نتائج عام طور پر ساقط الاعتبار قرار دئے گئے ہیں۔

عضویات اور خصوصاً دماغ اور نظام عصبی کے عضویات کے مطالعہ سے ہم بہت سے ایسے معلومات حاصل کرسکتے ہیں جو دماغی زندگی میں ہمارے

لیئے کارآمد ہوں گے - مثلاً جب ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ دماغ مختلف قطعات میں کس طرح تقسیم ہے تو ہم اپنے خیال - تاثر اور ارادے کی سرگرمیوں کو اس طرح ترتیب دے سکتے ہیں کہ مذکورۂ بالا قطعات میں سے کسی پر ضرورت سے زیادہ بار نہ پڑے - کار نوال کے باشندوں کی ایک ضرب المثل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کام کی تبدیلی توانائی کی تجدید کی موجب ہوتی ہے - جب تکان کے احساس سے ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم اپنے دماغ کے کسی قطعہ کی قوّت بالکل صرف کر چکے ہیں تو ہمیں کام موقوف کر دینے کی ضرورت نہیں . بلکہ کسی اور قطعہ کو متحرّک کر کے اول الذّکر کو جس سے ہم ابھی کام لے رہے تھے آرام لینے اور چاق ہونے کا موقع دے سکتے ہیں - اس کے ساتھ ہی احتیاط کی بھی ضرورت ہے - ایک شخص اپنی سرگرمی یا مصروفیت کو خواہ کیسی ہی دانائی سے تقسیم کرے وہ لگاتار کام میں مشغول نہیں رہ سکتا - کیونکہ جب تک دماغ کا کوئی حصّہ مصروف بکار ہے دوسرے حصّے اُس کے ساتھ تعلّق کے اس قدر رشتے رکھتے ہیں کہ حقیقی آرام اُن کے لیئے ناممکن معلوم ہوتا ہے - بالفاظ دیگر دماغی قطعات کی ساخت ایسے غیر متعلق کمروں کی سی نہیں ہے کہ اُس کے حصّے ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہوں - اس سے ہمیں ایک اور سبق بھی ملتا ہے - اگر ہم عمدہ دماغی کام کرنا چاہیں تو ہم کو چاہیئے کہ جسم اور خصوصاً نظام عصبی کی بخوبی حفاظت کریں -

کیونکہ خارجی دنیا سے ذہن کا تعلق نظام عصبی کے واسطہ سے قائم ہے۔ پس اگر نظام عصبی ہی بگڑا ہوا ہو تو وہ ذہن اور وہاں سے عضلات کو غلط اور بے قاعدہ تہیجات پہنچائے گا۔ ہمارا مطمح نظر "الذهن الصحيح في الجسم الصحيح" ہونا چاہیئے جو باہم لازم و ملزوم ہیں۔ یہ ایک عام مشاہدہ کی بات ہے کہ بہرے لوگ بدگمان ہوا کرتے ہیں اور یہ ذہنی قصور براہِ راست جسمانی نقص کا نتیجہ ہے۔ تنک مزاجی بلاشبہ ایک ذہنی خاصہ ہے اور بعض اعصابی فسادات کا لازمی نتیجہ ہے۔ اعصابی فساد تند مزاجی کا پیش خیمہ اور اس کے ساتھ مستلزم ہوتا ہے۔ بہرحال ہم جس بات پر نظر ڈالیں ہر طرف ذہن اور بدن کے گہرے تعلق کی مثالیں ملتی ہیں۔

کوئی شخص ایسے اُسترے سے حجامت بنوانا پسند نہیں کریگا جو ابھی مچھلی کے ٹین کو کھولنے کے لئے استعمال کیا گیا ہو اور ایسی گت کیسے بجائیگی جو دو کوڑی کی سارنگی پر بجائی جائے۔ عمدہ کام کے لئے عمدہ اوزار جو اچھی حالت میں ہوں درکار ہیں اور اچھے دماغی کام کے لئے صحیح دماغ اور صحیح نظام عصبی کی ضرورت ہے۔ اس اصول کو فراموش یا نظرانداز کرنے سے اوسط قابلیت کے لوگ صریح حماقت میں اور ذکی الطبع اشخاص جنون میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ چونکہ اس موضوع پر آج کل کثرت سے چھوٹی چھوٹی کتابیں ملتی ہیں پس جو حضرات کہ دماغ اور نظام عصبی کے متعلق مزید

معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کو ایسی کتابوں میں سے کسی ایک کا مطالعہ کرنا چاہئیے۔ چنانچہ مبتدی کے لئے ہکسلی کی کتاب (Elementary Lessons in Physiology) نہایت مفید ہے۔

بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ نفسیات عضویات کی محض ایک شاخ ہے اور جس طرح آنسوؤں اور پسینہ کے اخراج کے لئے علحدہ علحدہ غدود ہوتے ہیں اور صفرے کے خارج کرنے کے لئے جگر ہوتا ہے اسی طرح خیال تاثر اور ارادہ کے اخراج کیلئے دماغ ہے اور جس طرح معدہ کا یہ فعل ہے کہ غذا کو ہضم کرے اسی طرح دماغ کا یہ کام ہے کہ جو خارجی اثرات وہ قبول کرتا ہے اُن کو تحلیل کرکے جزو ذہن بنائے۔

یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ دماغی اور اعصابی عمل ذہنی عمل کے لئے تنہا ضروری نہیں ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ تازہ ہوا غذا اور روشنی کی بدولت ہم زندہ رہتے ہیں تو ہمارا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہ زندگی پیدا کرتے ہیں بلکہ وہ زندگی کے دوش بدوش ہیں اور اس کے لوازم اور شرائط ہیں اور اسی طرح دماغی اور اعصابی عمل نہ ذہنی عمل ہیں اور نہ ذہنی عمل پیدا کرتے ہیں بلکہ صرف اس کے لوازم و شرائط ہیں۔ کوئی شخص ڈھول بجاتا ہے۔ ہوا میں تموّج یا حرکت پیدا ہوتی ہے یہ عمل بدن کے باہر ہوتا ہے۔ اس لئے عضویاتی ہے۔ یہ تموّج کان کے پردے سے ٹکراتی ہے اور ایک عصبی

تہیّج عصب سمعی میں سے گزر کر دماغ تک پہنچتا ہے۔ یہ عمل بدن کے اندر جاری ہے اور اس لیے عضویاتی ہے۔ جب دماغ کے تہیّج کا علم نفس کو ہوتا ہے تو شعور پیدا ہوتا ہے۔ جسے شعور صوت کہیں گے۔ پس یہ عمل چونکہ نفس میں ہوتا ہے اس لیے نفسیاتی عمل ہے۔

اگر ہم سب بالکل بہرے ہوتے اور ہماری جلد کی بالائی سطح کافی ذکی الحس ہوتی تو ہم ہوا کی موجوں کو اپنے رخساروں پر ٹکراتے ہوئے محسوس کرتے اور ڈھول کے بجنے کی اطلاع بطور آواز کے نہیں۔ بلکہ بطور لمس کے لیتے۔ ہوا کی تموّج آواز نہیں ہوتی۔ بلکہ محض ہوا کی لہر ہے۔ دماغ کا وہ ہیجان جو عصب سمعی کے تہیّج سے پیدا ہوتا ہے آواز نہیں ہے۔ بلکہ بھیجے کے خلایا کا انتشار ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ آواز کوئی جسمانی یا عضویاتی چیز نہیں۔ بلکہ خالص نفسی یا ذہنی مظہر ہے جس کے ساتھ جسمانی اور عضویاتی شرائط یا لوازم وابستہ ہیں۔

قوانین طبیعیّہ کا مطالعہ قوانین عضویات کے کافی علم کے بغیر اور عضویّات کے قوانین کا مطالعہ طبعیّات کے وقوف کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ گو بغیر طبعیّات سے آشنا ہونے کے عضویات کا طالب علم کسی نہ کسی طرح اپنا کام چلا سکتا ہے۔ لیکن طبعیّات سے واقفیت بلاشبہ اُس کے لیے نہایت مفید ہو گی۔ اسی طرح بلالحاظ عضویّات کے نفسیّات کا مطالعہ ہو سکتا ہے مگر

ہم اس کی رائے نہیں دیں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان علوم میں باہم ایسا گہرا تعلق ہے کہ وہ ایک دوسرے کی تحصیل میں ممد و معاون ہیں۔ اگر کوئی عالم نفسیات اپنے نتائج کی توثیق عضویات سے کرا سکے تو بلاشبہ اُن کی اہمیت دوبالا ہو جائیگی۔

ذیل کے صفحات میں جو امور درج ہیں اُن کو عضویاتی اصطلاحات میں تحریر کرنا ممکن تھا۔ لیکن چونکہ اس کتاب کے لکھنے سے میرا منشاء یہ نہیں ہے کہ عضویات پر کوئی رسالہ پیش کروں اس لئے اس میں عضویاتی اصطلاحات کا استعمال بے موقع اور بے محل معلوم ہو۔ تاہم اس کتاب کے پڑھنے والوں میں اُن حضرات کے لیے جو عضویات سے واقف ہیں جا بجا عضویاتی اصطلاحات سے مطابقت کرنا سبق آموز اور دلچسپ ہوگا۔

تیسرا باب

رفع شکوک

قدیم زمانے کے فلسفی بہ بانگ دُہل یہ کہا کرتے تھے کہ "علم کو علم کی خاطر حاصل کرو نہ کہ اس خیال سے کہ زندگی میں کار آمد ہوگا" اب بھی یہ رائے کلیتہً معدوم نہیں ہوئی. بلکہ بعض مشرقی ممالک میں ہنوز اس کو اہمّیت حاصل ہے - سیّاحوں کا بیان ہے کہ برما کے جوگیوں کی یہ عادت ہے کہ وہ دھوپ میں آسن جما کر کالے جُرٹ پیتے اور مذہبی رموز کا مراقبہ کیا کرتے ہیں اور دنیا کی اُن کو مطلق پروا نہیں ہوتی-لیکن مغربی ممالک میں بلحاظ آب و ہوا یہ دشوار ہے - کیونکہ اس معاملہ میں اس سرزمین پر خدا کی مار ہے - علاوہ ازیں کسبِ معاش میں بہت دشواریاں پیش آتی ہیں - نتیجہ یہ ہے کہ سفید اقوام عملی پہلو پر زیادہ زور دیتی ہیں اور عملی دنیا سے الگ ہو کر اعلیٰ ذاتی صفات کے حاصل کرنے اور گہرے غور و فکر کی زندگی بسر کرنے کا رواج ہمارے ہاں سے اُٹھ گیا ہے. بلکہ اس کو ہم کم و بیش حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں -

"میں نفسیات کا مطالعہ اس لیئے نہیں کرنا چاہتا ہوں کہ میرے نفس

کی تہذیب ہو یا اپنے دماغ میں ایسی باتوں کو جگہ دوں جو کسی طرح کارآمد نہیں ہوسکتیں. بلکہ اس لیئے کہ اُن اصلی فوائد کو حاصل کروں جو اس علم کی بدولت بیسر آسکتے ہیں۔" میری رائے میں یہ ایک اوسط برطانوی شخص کا میلانِ طبع ہے۔اس کو ایسے نفسیات کی ضرورت ہے جو عملی ہو۔جس سے خود اس کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے۔

جو نفسیات بالعموم جُہلاء میں مروج ہے وہ یقیناً اُن کیلیئے زیادہ کارآمد اور مفید ثابت نہ ہوگی. بلکہ یہ اُن کی راہ میں مانع ہوگی۔جو لوگ ذہن کی ماہیت پر غور کرتے ہیں ان میں فیصد ننیانوے ایسے ہوتے ہیں جو اس کو مثل ایک صندوق کے تصور کرتے ہیں اور اُن کے نزدیک ذہن کا مترادف علم کا صندوق ہے اور یہ صندوق یعنی نفوس مختلف جسامتوں کے ہیں اور اِسکے بازو کے حِصّے غالباً لچکدار بھی ہیں۔لیکن ان سب کا یہ حال ہے کہ اگر تم ان میں علم بھرتے چلے جاؤ گے تو بالآخر تم ان کو بالکل پُر کردو گے اور اس کے بعد ہر ایک نئی بات جو ذہن میں خوب بھر جائے گی اس کے دباؤ سے دوسری بات ذہن سے خارج ہو جائے گی۔اگر تم اس عام پسند تصوّر کا صحیح صحیح خاکہ چاہتے ہو تو تم کو چاہیئے کہ شرلاک ہومز (Sherlock Holmes) نے اپنی کتاب "اے اسٹڈی ان اسکارلٹ" (A Study in Scarlet) میں نفسیات کے متعلق جو رائے ظاہر

کی ہے اُس کا مطالعہ کرو۔ یہ مشہور و معروف سراغ رساں بالکل صندوق کے نظریہ کا پیرو ہے۔

کیا یہ صندوقی نظریہ ہمارے تجربہ سے مطابقت رکھتا ہے؟ فرض کرو کہ تم مُصطلحاتِ تعمیر پر ایک ایسے جلسے میں تقریر کر رہے ہو جو علمائے مذہب اور انجنیروں پر مشتمل ہے۔ اگر تم اچھی تقریر کرو گے تو تم انجنیروں کے صندوقِ علم کو بہت سارے معلومات سے پُر کرنے میں کامیاب ہو گے۔ لیکن خواہ تم کتنی ہی کوشش کرو اُن تمام معلومات کو مذہبی عالموں کے صندوقِ علم میں بھر دینے میں کامیاب نہ ہو گے۔ یہ اس وجہ سے نہیں کہ علمائے مذکور کی قابلیت انجنیروں سے کسی طرح کم ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ آخر الذکر کی سابقہ معلومات اُن کو اپنے فن کے متعلق تازہ معلومات حاصل کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ تحصیلِ علم کو سابقہ ذہنی مشمولات سے بھی رابطہ ہے اور اس کا انحصار محض صندوقِ علم کی گنجائش پر نہیں ہے۔

ایک اور مثال لیجیے "سینٹ کین کا کنواں" (The Well of St. Keyne) کے عنوان سے ایک نظم ہے جس کے ایک شعر میں بتایا گیا ہے کہ ایک جادوگر نے پانی پر سحر بچھایا یعنی پانی پر جادو کا اثر ڈالا۔ (Laid on the water a spell) جب میں نے اس فقرہ کا مطلب ایک لڑکے سے دریافت کیا تو لفظ (Laid) سے اُسے ابہام پیدا ہوا اُس

نے کہا کہ غالباً جادوگر تھک گیا ہوگا اس لئے آرام لینے کی غرض سے وہ پانی کی سطح پر تھوڑی دیر کیلئے لیٹ گیا۔ شاعر نے میرے صندوقِ علم میں چھ لفظ! اور وہی چھ لفظ لڑکے کے صندوق علم میں داخل کئے تھے۔ لیکن سابقہ ذہنی مشمولات کی وجہ سے کس قدر فرق پیدا ہوگیا۔ اگر ہم کو واقعی یہ یقین ہو کہ ذہن دراصل معلومات کا صندوق ہے تو ہمارے لئے بہترین تدبیر یہ ہوگی کہ اس میں ہم صرف ایسی معلومات کو جمع کریں جو ہمیشہ کیلئے قیمتی اور مفید ہوں اور اس امر کی احتیاط کریں کہ ردّی چیزوں سے قیمتی جگہ نہ بھر جائے۔ اس عمل کی مثال کم و بیش ایسی ہوگی جیسے کہ غیر آباد جزیرہ میں رہنے کیلئے جاتے وقت کوئی شخص اپنا رخت سفر تیار کرلے یا ایک طول طویل سفر کے موقع پر زادِ راہ کی طرف سے اطمینان کرلے۔ ایک محتاط آدمی کو جس کا ذہن پُرمغز معلومات اور رموزِ علم سے بھرا ہے، ہمیشہ اس بات کا خطرہ لگا رہتا ہے کہ کہیں اس میں خرافات گھس کر جگہ نہ پائیں اور قیمتی معلومات کے ذخیرہ کو خارج کر بیٹھیں۔

کیا ذہن کے متعلق ہمارا طرزِ عمل یہی ہے؟ ہم میں سے جو بہت بڑے کامل اور بہت بڑے دانشمند ہیں کیا وہ ایسا کرنے کی کبھی کوشش بھی کرتے ہیں؟ کسی خاص موضوع کی تحقیقات میں ایک سائنس دان ایسے سینکڑوں حقایق جمع کرتا ہے جس کا تعلق مسئلہ زیرِ غور سے ہوتا ہے۔

ان حقایق کے ذریعہ وہ کسی کلیّہ کو دریافت کرتا ہے اور اس کے دریافت کرنے میں جن حقایق وغیرہ سے اس کو مدد ملی ہے اُن میں سے اکثر اس کے حافظہ سے خارج ہو جاتے ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دوسرے حقایق دراندازہوکر اُن کو خارج کر دیتے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ کلیّہ کے وضع ہونے کے بعد اُن کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لئے اُن کا بھول جانا فائدہ مند ہے اور نہ بھُولنا عذابِ جان۔

ایک دوسری غلطی جس میں اکثر لوگ مبتلا ہوتے ہیں وہ "شعبہ جاتی نظریہ" ہے اس کی کسی قدر تشریح کی ضرورت ہے۔

اس امر پر زور دیا جاتا ہے کہ جس طرح ہم کسی دوسرے شخص کی آنکھ سے دیکھ نہیں سکتے اسی طرح کسی دوسرے شخص کی سمجھ سے مستفید نہیں ہوسکتے۔ پس نفسیات کا صحیح طریقہ معائنۂ باطن یا تامل ہے۔ حواس سے ہم کو تجربہ حاصل ہوتا ہے اور تجربہ ذہن میں تصوّرات کی رَو دوڑا دیتا ہے۔ جب خیالات ذہن میں آجائیں تو ہمیں اُن کو مختلف قسموں میں تقسیم کرکے اپنے ذہنی مشمولات کو کچھ نہ کچھ قرینہ سے ترتیب دینا چاہیئے۔ لیکن یہ کام کچھ مشکل نہ ہوتا اگر خیالات اُن چلبلے بچوں کی طرح نہ ہوتے جن کو فوٹو کیلئے بٹھایا جائے اور وہ نچلے نہ بیٹھیں بلکہ ہر وقت ہلتے جُلتے رہیں۔

کوئی چیز اُن کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی - وہ کیا ہے؟ اگر ہم انجن کے کل پُرزوں سے واقف ہوں تو ہم اُس کو چلا سکتے ہیں اور اُس کو قابو میں رکھکر جو کام لینا چاہیں لے سکتے ہیں - اسی طرح اپنے نفس کے کل پُرزوں سے اگر ہم واقف ہوں تو اُن کو بھی مصروف بکار اور ضبط و قابو میں رکھ سکیں گے - اسی ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نفس کے کل پُرزے کیا ہیں؟

شعبہ جاتی نظریّہ سے اس سوال کا معقول اور سنجیدہ طور پر حل نہیں ہوتا - اس نظریّہ کی رُو سے ذہن مشاہدہ اس لئے کرتا ہے کہ اس میں مشاہدہ کی قوّت ودیعت کی گئی ہے - ذہن اس لئے یاد رکھتا ہے کہ اس میں حافظہ کی قوّت رکھی گئی ہے اور استدلال یوں کرتا ہے کہ اس کو استدلال کی قوّت عطا کی گئی ہے وغیرہ - اس نظام میں نام ہی نام ہیں - تشریح کسی بات کی نہیں - علاوہ بریں جس طرح علم کا سرِ مصر کے علماء نے یہ غلطی کی ہے کہ بھیجے کو متعدد جُدا جُدا حصوں میں تقسیم کیا ہے اسی طرح شعبہ جاتی نظریّہ کی یہ غلطی ہے کہ اس میں مختلف ذہنی افعال کو علیحدہ علیحدہ اور ایک دوسرے سے غیر متعلق حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے -

چند غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش کے بعد ہم اب اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں کہ نفسیات کا مطالعہ کس طرح شروع کیا جائے -

اس میں کچھ شک نہیں کہ نفسیات فلسفہ کی محض ایک شاخ ہے اور مکمل اور تفصیلی مطالعہ کا بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ شاخ سے پہلے پورے درخت پر ہماری توجہ مرکوز رہے۔ لیکن یہ ایک بڑا کام ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ جس قدر فیلسوف ہیں اُسی قدر فلسفے بھی ہیں اور کسی ایک نظام کی تفصیل ایک لحظے میں ذہن نشین نہیں ہوسکتی۔ مثالیت کو لیجیے، جو ہیگل سے منسوب ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ "کائنات ایک عضوی کُل ہے جس میں تمام اشیاء باہم دیگر اپنے سود و بہبود کے لئے مصروف بکار ہیں۔ اس عالم عقلیہ میں ہر انسان اور حیوان، ہر مقام اور ہر شے کے لئے اس کا کوئی محل اور کام مقرر ہے اور وہ اپنی غایت کو صرف اُسی وقت پورا کرسکتا ہے جبکہ وہ اپنی فطرت کے مطابق اپنا حقیقی اظہار کرے۔ اس عضوی کُل کے قوانین کیا ہیں اس کو ہم فطرت کی روش کا مقابلہ کئے بغیر ہرگز معلوم نہیں کرسکتے"۔

ہیگل کے نظریہ کے مطابق قبل اس کے کہ نفس انسان کو ہم پہچان سکیں اس امر کی ضرورت ہے کہ اس عضوی کُل میں جس کا وہ ایک جزو ہے اس کے محل و غایت کو سمجھ لیں۔ لیکن نفس انسان کے مطالعہ کی غرض سے مسئلہ تکوین کا حل کرنا ایک چکر کا راستہ ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک کمرے کی کھڑکی میں سے ایک کانٹے دار لکڑی ڈال کر کسی دوسرے

بازو کے کمرے کے پردے کو اُتارنے کی کوشش کرنا - ایک فلسفیانہ مسئلہ ہونے کی حیثیت سے ہیگل کی مثالیت ایک شاندار تصوّر ہے - لیکن بہرحال، سردست اُس کو اور اُس کے تعلّقات کو بالکلیہ نظرانداز کرنا مناسب نہ ہوگا - ہمارا موضوع خالص نفسیات ہے لہذا ہم کو زیادہ ہوس نہیں کرنی چاہیئے -

جس طرح فلسفیوں کے گروہ قائم ہیں اُسی طرح علمائے نفسیات کے بھی گروہ قائم ہیں اور آخرالذکر گروہ کو ہم تین فریق میں تقسیم کرسکتے ہیں - (۱) عضویاتی یا جدید (۲) تحلیلی اور (۳) ترکیبی - اب مختصر طور پر ہر ایک کا ذکر علیحدہ علیحدہ کیا جاتا ہے - فرقۂ عضویاتی کا بانی فکنر (Fechner) ہے - اس فرقہ کا ادّعا یہ ہے کہ اس نے نفسیات کو ایک قطعی علم کی حیثیت بخشی - بدن پر تجربہ کرکے نتیجے کو نفسیاتی اصطلاح میں واضح کرنا اس کا طریق کار ہے - اس عملی کام کیلئے جو آلات استعمال کیئے جاتے ہیں اُنکے نام عجیب و غریب ہیں - مثلاً وقت نگار - دستی قوت پیما - اضافہ نگار وغیرہ وغیرہ - جس استقلال اور صحت سے اس گروہ کے محققین اپنا کام انجام دیتے ہیں اسکی پوری پوری تعریف کرنا ممکن نہیں ہے - کسی ہیجان کو جلد سے دماغ تک اور وہاں سے تہیج حرکی کی شکل میں عضلات تک پہنچنے میں جو وقت لگتا ہے اس کی نسبت ایک لمحہ کے ($\frac{1}{100}$) حصہ تک کی وہ صحیح

صحیح اطلاع دے سکتے ہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں جُدا جُدا تجربات کرنے کے بعد وہ اپنے نتائج کو پہنچتے ہیں۔ تجربات بھی ایسے جو نہایت محنت اور احتیاط سے کیے جاتے ہیں۔ یہ حضرات غالباً جو غلطی کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ عضویات پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے ہیں اور نفسیات پر کافی نظر نہیں ڈالتے۔ سوال یہ ہے کہ اگر انسان کے نیک خصائل محض دماغ اور اعصابی عمل پر منحصر ہیں تو کیوں قشر پر عمل جرّاحی کر کے ان نقایص کی اصلاح نہیں کی جاتی۔ کسی حصہ پر دباؤ ڈالیئے اور کسی دوسرے حصہ کو ہیجان میں لایئے۔ اس طرح سے طلباء کی تادیب میں بجائے بید کے جرّاح کی چُھری کا استعمال ہونے لگے گا اور ہم مجرمین کو بجائے قید خانہ یا دارالاصلاح کو بھیجنے کے کسی جرّاح کے پاس پیش کیا کرینگے۔

اگر ہم کو اس امر کا یقین بھی ہوتا کہ اس جدید گروہ کا کام بالکل صحیح اصول پر ہو رہا ہے تو اس کے ایک سر برآوردہ پیرو کے اقرار کو پڑھنے کے بعد ہم اس رائے کے اظہار میں پس و پیش کرتے کہ آیا زندگی بسر کرنے میں اس جدید فرقہ سے عملی طور پر کوئی زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ تیس سال تک دارالتجارب میں کام کرنے کے بعد پروفیسر وُنٹ (Wundt) بیان کرتا ہے کہ "تجرباتی طریق سے ہمارا صرف یہ کام نکل سکتا ہے کہ وہ ہمارے باطنی مشاہدہ کو مکمل کرتا ہے بلکہ جیسا کہ میرا

ایقان ہے یہ کہنا چاہئیے کہ بغیر اس طریقہ کے حقیقی معنوں میں باطنی مشاہدہ ممکن نہیں ہے تو کیا ہمارے تجرباتی مشاہدۂ ذات سے کوئی اہم کام انجام پایا ہے؟ اس کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ ہمارا علم ابھی نامکمّل حالت میں ہے اور تجرباتی طریقوں کے حدود میں بھی ایسے اصول نہیں ملتے جو عام طور پر قابل تسلیم سمجھے جائیں"۔

شائد کوئی ایسا دن آئے کہ فرقۂ قدیم فرقۂ جدید سے مفید و قیمتی سبق حاصل کرسکے۔ لیکن وہ دن ابھی تک تو نہیں آیا۔ اس وقت تک فرقۂ قدیم کے فرقہ جدید پر اس قدر احسانات ہیں کہ قریب تر زمانہ میں ان کا معاوضہ ادا ہونے کے آثار نہیں پائے جاتے۔ ایک مصروف شخص کو نفسیاتِ جدید کے مطالعہ کی رائے دینا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ اُسے ایک ناتمام عمارت میں رہنے کیلئے بھیجدینا۔ ممکن ہے کہ آئندہ کسی روز وہ رہائش کے قابل ہو جائے۔ لیکن اس وقت تو وہ بے سقف ہے۔

گروہ تحلیلی و ترکیبی کے متعلق زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ خود اُنکے نام سے ان کی شرح ہوتی ہے۔ ہر دو میں فرق صرف جزو واحد کی مقدار کا ہے جسکے ذریعہ سے ہر ایک گروہ اُمور ذہنی کی تصریح کی سعی کرتا ہے۔ تحلیلی طریقہ میں جزو واحد بڑا ہوتا ہے اور کم و بیش صحت کے ساتھ اس کی تحلیل اجزائے ترکیبی میں ممکن ہے۔ ترکیبی طریقہ میں جزو واحد چھوٹا ہوتا ہے بلکہ دراصل

ایک مجرّد خیال ہوتا ہے اور اس گروہ کی کوشش ہے کہ واحد خیالات سے مرکب شعوری کیفیتیں ترتیب دے۔

مناظرہ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کتاب عام لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے اور میری ذاتی رائے یہ ہے کہ ان کے لئے مسلک ترکیبی کے اصول عملی طور پر زیادہ مفید ہیں۔ اس ضمن میں ہر بارٹ (Herbart) کا نام یکایک آتا ہے۔ صفحات آیندہ میں میں نے ہر بارٹ ہی کے اصول کو سمجھانے کی کوشش کی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ہر بارٹ کے طرفدار کی حیثیت سے میں نے یہ کتاب لکھی ہے۔ ہر بارٹ نے جو کچھ سکھایا تھا اُس کے نام لیوا اس کو لفظ بلفظ تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ بعض امور کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ اس کتاب میں اگر ہم معمول سے زیادہ اختلاف کریں تو اس اختلاف کی غایت یہ ہوگی کہ ہم نفسیاتی اصول اور اپنے مشاہدہ کے واقعات میں مطابقت پیدا کریں۔ بہ الفاظِ دیگر نظریہ کو واقعات کا تابع ہونا چاہیئے نہ کہ واقعات کو نظریہ کا۔

چوتھا باب

مبادیات نفس

سنہ ۱۷۷۶ع میں جان فریڈرک ہربارٹ (Johann Friedrich Herbart) جرمنی میں پیدا ہوا - کم سنی ہی میں مذہبی و فلسفی مسائل اور مباحث سے وہ آشنا ہو گیا اور اٹھارہویں سال میں اس نے فشٹے (Fichte) کی شاگردی اختیار کی - سنہ ۱۸۰۵ع میں گوٹنجن میں فلسفہ کی پروفیسری کی جائداد پر اس کا تقرر ہوا - سنہ ۱۸۰۹ع میں وہ کانٹ (Kant) کا جانشین بن کر کونسبرگ گیا اور سنہ وفات یعنی سنہ ۱۸۴۱ع تک وہیں کارگزار رہا - اس کی کل تصانیف کو اس کے شاگرد ہارٹنسٹائین (Hartenstein) نے (۱۲) جلدوں میں طبع کیا ہے - ہربارٹ اُن خوش نصیب لوگوں میں تھا جن کی سوانح تو موجود ہیں لیکن حالات کا شمار تاریخ میں نہیں ہو سکتا -

ہربارٹ کا مقولہ ہے کہ بوقت پیدائش انسانی دماغ ایک متجانس تاتات یعنی سب کے واسطے معجون مرکب ہے - اس کے نہ اعضا ہیں اور نہ کوئی خاص حصے - جس حصّہ کو چاہو بطور نمونہ لیکر دیکھو سب حصوں کو بالکل یکساں پاؤ گے - پہلے سے دماغ میں نہ کوئی مقامی صلاحیت

موجود ہے نہ کوئی میلان نہ کوئی قابلیت یا مذاق -

لیکن دماغ خواص سے بالکل معرّا نہیں ہے- چنانچہ اس کی ایک خصوصیت جمُود ہے -یعنی اگر اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے تو ہمیشہ خالی رہے گا- بیرونی اثرات سے بہ دیر تغیر پذیر ہونے اور ایک دفعہ جب تغیر پیدا ہوجائے تو اپنی سابقہ حالت پر عود کرنے میں وہ سست ہے -جن خارجی نقوش کو وہ قبول کرتا ہے اُن پر ردِّ عمل کرنے کی بھی اس میں قوت ہے مگر یہ دونوں خواص جمود اور ردِّ عمل کسی طرح مقامی نہیں ہیں - یعنی وہ دماغ کے کسی خاص حصّہ میں موجود نہیں ہیں. بلکہ مجموعی حیثیت سے دماغ میں پائے جاتے ہیں -

دماغ کا جو تصوّر ہربارٹ نے پیش کیا ہے اُس سے زیادہ کسی چیز میں منفی خواص کا پایا جانا مشکل معلوم ہوتا ہے - اس میں تین اثباتی صفات ہیں - وہ متجانس ہے جامد ہے اور اُس میں ارتسامات پر ردِّ عمل کرنیکی قوت ہے - مادّی دنیا میں نائٹروجن غالباً سب سے زیادہ منفی شئے ہے - لیکن پیدایش کے وقت دماغ کی جو حالت ہربارٹ نے بیان کی ہے - اس کے مقابلہ میں نائٹروجن اثباتی صفات سے پُر ہے -

لیکن ہربارٹ ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ بوقت ولادت سب کے دماغ بالکل یکساں ہوتے ہیں- آسٹریلیا کے قدیم

دیسی سیاہ فام باشندہ کے بچے کی ذہنیت ویسی ہی ہے جیسی کسی یونیورسٹی کے پروفیسر کے بچے کی۔ ابتدا میں انگلستان کی عدالت کے وزیر کی ذہنیت وہی تھی جو ایک میوہ فروش کی ہونی چاہیئے۔ اپنی ننھی مٹھی سے پہلا سیب گرانے سے قبل سر اسحاق نیوٹن (Sir Isaac Newton) کی عقل کسی طرح اُس بچے سے زیادہ نہ تھی جو آیندہ چل کر زراعتی مزدور بنا اور مرتے دم تک (۱۰۰) تک نہیں گِن سکتا تھا۔ اور ایک وقت ایسا بھی تھا جب کہ اس کتاب کو جانچنے والے نقاد کا ذہن اس کے مصنف سے کسی طرح بہتر نہ تھا۔ انگریزی میں ایک ضرب المثل ہے "جیسا ایک انسان ویسا دوسرا" (One man is as good as another) اس کو بدل کر اگر کہا جائے کہ بوقت ولادت جیسا ایک بچے کا دماغ ہوتا ہے ویسا ہی دوسرے بچے کا دماغ ہوتا ہے تو مُجملاً اس سے ہربارٹ کا مطلب ظاہر ہو جاتا ہے۔

یہ ایک نہایت تعجب خیز استخراج معلوم ہوتا ہے لیکن ہربارٹ اسی پر قائم ہے۔ تاہم اگر گہری نظر ڈالی جائے تو اس کا ظاہرا امکان سے باہر ہونا کسی حد تک دور ہو جائیگا۔ خیالات ذہن کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ ان پر ردِّ عمل کرنے سے ہی وہ اپنی سُستی اور مجہولی سے بیدار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلے پہل خیالات حواس ہی کی وساطت سے آسکتے ہیں۔

اور حواس کا مدار بدن پر ہے - ہربارٹ یہ نہیں کہتا کہ بوقت ولادت سب اجسام مساوی ہوتے ہیں - لہذا پیدایش کے وقت سب دماغ برابر بھی ہوں تو اجسام میں جو فرق ہے اُس کے تناسب سے اس مساوات میں بہت جلد فرق پیدا ہو جاتا ہے - اس کی انتہائی مثال یہ ہے کہ جو بچہ اندھا پیدا ہوتا ہے وہ اُن تمام خیالات سے محروم رہتا ہے جن سے اُس بچہ کا ذہن جس میں بینائی کی نعمت ودیعت کی گئی ہے مالامال رہتا ہے - ہردو کی ذہنی ترقی اور نشوونما میں اسی لحاظ سے تیز روی کے ساتھ فرق رونما ہونے لگتا ہے -

جسمانی حواس میں جن سے ذہن کو تہیّجات پہونچتے ہیں فرق ہونے کے علاوہ اُس جسمانی ماحول میں بھی فرق ہوتا ہے جس سے حواس کو تہیّجات پہنچتے ہیں - اگر ایسے بچہ کا جس کی پرورش شہر کے گندے گلی کوچوں میں ہوئی ہو اُس بچے سے مقابلہ کیا جائے جو ایک متموّل اور شائستہ گھرانے میں پلا ہو تو یہ معلوم ہوگا کہ آخر الذکر مظاہر قدرت اور فنونِ لطیفہ کے بہترین سرچشمے سے سیراب ہونے کی زیادہ صلاحیّت رکھے گا - موسیقی - ادبیات - حلقۂ احباب اور اخلاقی ماحول یہ سب بلکہ اس سے زیادہ نعمتیں اُس کو میسّر ہونگی - اول الذکر قدرت اور فنونِ لطیفہ کی نعمتوں سے یا تو بالکل محروم ہوگا یا بہت کم واقف ہوگا - اس کی

موسیقی اس کی ادبیات اور اس کے احباب اخلاقی نقطہ نظر سے گرے ہوئے ہوں گے - اور غالباً اس کی پرورش ایک بداخلاق گھرانے میں ہوئی - غرض کہ ان دونوں نمونوں کا فرق نہایت نمایاں ہو گا - شاعر کہتا ہے کہ عشق اُسی چیز سے بڑھتا ہے جو اس کی غذا ہے - یہی حالت ذہن کی ہے پس ماحول میں جو بے پایاں اور گوناگوں اقسام ہیں کیا وہ انسان کی لامتناہی اور گوناگوں ذہنیتوں کا پتہ دینے کے لئے کافی نہیں ہیں -

میں خود اپنے تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ (۷) اور (۱۴) سال کی عمر کے لڑکوں کی ذہنیتوں کی اس قدر قسمیں نہیں ہوتیں جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے - ابتداء سے اب تک کم سے کم (۱۰۰۰۰) لڑکے میری نگرانی میں رہ چکے ہیں اور اس وقت (۴۰۰) سے اوپر ہیں - میں نے ان میں چار فیصد لڑکے ہوشیار اور چار فیصد کند ذہن پائے باقی (۹۲) فیصد کو میں اوسط درجہ کا شمار کرتا ہوں - اکثر ہوشیار لڑکوں کے جسمانی حواس غیر معمولی طور پر اچھے ہوتے ہیں اور وہ ایسے گھرانوں سے آتے ہیں جن کے ماحول ذہنی سرگرمی کے لئے مفید ہوتے ہیں - برخلاف اس کے عموماً کند ذہن لڑکوں میں اکثر ایسے جسمانی نقائص ہوتے ہیں جن کا حسّی اعضاء پر بُرا اثر پڑتا ہے - وہ ایسے گھرانوں سے آتے ہیں جن کا

ماحول مبہوت کرنے والا ہوتا ہے کئی سال تک حواس اور ماحول کے گوناگوں اثرات پڑنے کے بعد جب یہ صورتِ حال ہو تو پھر ہم کیوں نہ خیال کریں کہ پیدائش کے وقت سب دماغ مساوی تھے۔ علاوہ ازیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ میں نے جو حساب لگایا ہے وہ ایک تنگ اور محدود لائحہ عمل پر مبنی ہے۔ یعنی مدرسہ کے مضامین سیکھنے کی حد تک اگر پیراکی نجاری اور کرکٹ کو شامل کیا جاتا تو نتائج بہت مختلف ہوتے۔

ایک دلچسپ بات جس کا ذکر یہاں بے محل نہ ہوگا یہ ہے کہ جو لڑکا مدرسہ میں غبی رہتا ہے وہ لازماً آئندہ زندگی میں بھی غبی ثابت نہیں ہوتا۔ سر والٹر اسکاٹ (Sir Walter Scott) اور رابرٹ لوئی اسٹیونسن (Robert Louis Stevenson) نے بحیثیت طالب علم کوئی زیادہ ناموری حاصل نہیں کی تھی اور ہم نے کہیں یہ نہیں پڑھا کہ آلیور کرامول (Oliver Cromwell) علامہ تھا۔ اس بارے میں عضویات سے بہت کچھ معلومات بہم پہنچتے ہیں۔ مختلف بچوں کے بدن مختلف رفتار سے بڑھتے اور نشوونما پاتے ہیں اور جسمانی ترقی اور نشوونما کا اثر ذہنی ترقی اور بالیدگی پر پڑتا ہے۔ جو بچے سُرعت کے ساتھ بڑھتے ہیں اُن کا ذہن اُن بچوں کے مقابلہ میں سُست ہوتا ہے جن کی نشوونما آہستہ آہستہ ہوتی ہے۔ جماعت میں اکثر چھوٹے بچے سب سے زیادہ ہوشیار ہوا کرتے ہیں۔

لیکن اگر بدوضع بڑے لڑکے کو نشوونما پانے کا موقع دیا جائے تو اغلب ہے کہ کسی روز وہ اپنے چھوٹے اور پھرتیلے ساتھی سے بازی لے جائے۔

زندگی کے تجربہ سے جو جو باتیں ذہن حاصل کرتا ہے اُن کو اگر خارج کر دیا جائے اور اسی طرح بجز اُن اوصاف کے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ باقی سب اوصاف اور جبلّی ذوق کو نظر انداز کیا جائے تو پھر یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ تمام دماغ بوقت پیدائش یکساں ہوتے ہیں۔ یہ خیال غلط بھی ہو سکتا ہے اور صحیح بھی۔ اور اس کی حقیقت ہم اس وجہ سے نہیں معلوم کر سکتے کہ جس وقت ہم باضابطہ اور صحیح مشاہدہ کرنے کے قابل ہوتے ہیں تو بچوں کی دماغی حالت میں اختلاف رونما ہو جاتا ہے۔ بہرکیف اس معاملہ میں ہم کو زیادہ تردّد کرنے کی ضرورت نہیں اور اس کو نظر انداز کرنے میں بھی غالباً کوئی مضائقہ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہربارٹ کا یہ عقیدہ ہے کہ ابتدائی مساوات قائم ہے لیکن اس کی تعلیم کا مدار اس استدلال پر نہیں ہے لہٰذا ہم اس سے انکار کرتے ہوئے اس کے پیش کردہ ذہنی تعمیر کے اصول کو مان سکتے ہیں۔

خود میرا خیال ہے کہ ابتدائی مساوات کے تصوّر میں حسبِ ذیل ترمیم کی ضرورت ہے۔ ہربارٹ کی طرح ذہن سے اس کی قوّتوں اور

مقامی فرق کو نکال کر اس حد تک مساوات سمجھو - لیکن متجانس تامات کے دو بنیادی خواص یعنی جمود اور تہیّجات پر ردِّ عمل کرنے کی قوّت کے لحاظ سے مختلف انسانوں میں فرق کا ہونا تسلیم کرو - اس طرح تم ذہن کی قابلیت کے درجے قائم کرکے کہو گے کہ فلاں ذہن درجہ اوّل - فلاں درجہ دوم - فلاں درجہ سوم کا ہے -

کارلائل (Carlyle) اپنی تصنیف "ہیروز اور ہیرو ورشپ" (Heroes and Hero Worship) "مشاہیر اور مشاہیر پرستی" میں کہتا ہے کہ بڑا آدمی فطرتاً بڑا ہی ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ کوئی بڑا انجنیر ایک بڑا مدبّر سلطنت فوجی سردار یا مصنف یا ماہرِ موسیقی بن سکتا تھا - لیکن یہ یاد رہے کہ خود کارلائل کے بیان میں امکان کا شائبہ ہے - ہربارٹ کے پیرو قطعاً اس سے انکار کرتے ہیں کہ پچاس سال کے سِن میں جو شخص بڑا انجنیر ہے ممکن ہے کہ وہ آگے چل کر زندگی کے دوسرے اور بالکل مختلف شعبوں میں شہرت اور عظمت حاصل کرے - صرف کم عمری میں کوشش کرنے سے اُس کو موقع مل سکتا ہے - ورنہ آگے کوئی امید نہیں ہو سکتی -

ایک شخص کو جو تجارتی کاروبار میں نہایت کامیاب تھا میں نے ایک مرتبہ یہ کہتے ہوئے سنا کہ "میں جانتا ہوں کہ تجارت کے جس شعبہ

سے میرا تعلق ہے اُس میں مجھ سے بڑھا ہوا کوئی نہیں ہے - ایک زمانہ میں مدرس بننے کا مجھے خیال ہوا تھا - اگر اس ارادہ پر میں عمل کرتا تو اس پیشہ میں بھی میرا رتبہ سب سے زیادہ بلند ہوتا" ممکن ہے کہ اس کا خیال صحیح ہو - حقیقت میں اُسے تین بڑی نعمتیں ملی تھیں یعنی بڑا سر، چوڑی ٹھڈّی اور سرخ بال پروفیسر اڈمس (Adams) کہتے ہیں کہ عظمت انسان کے انقلاب پذیر ہونے کا مسئلہ جو کارلائل سے منسوب ہے اور ہربارٹ کا ذہنی تعمیر کا تصوّر ان دونوں کی آمیزش ہماری تعلیمی ضروریات کے لئے بہترین صورت ہوگی - آڈمس کے اس قول کی تائید عقل اور تجربہ سے بھی ہوتی ہے - جب انتخاب کے لئے فلسفہ کا پورا میدان ہمارے سامنے موجود ہے تو ہم کو اس سے باہر قدم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے -

پانچواں باب

خیالات کس طرح ذھن میں داخل ھوتے ھیں .

ابتداءً خیالات ذہن میں کس طرح داخل ہوتے ہیں؟ زندگی کے کارزار میں انسان ایک اجنبی کی طرح قدم رکھتا ہے۔ جس دنیا میں اُسے زندگی بسر کرنی ہے اس سے وہ بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ اس کے لئے دنیا ایک نئی اور نامعلوم سرزمین ہے۔ اس کا انکشاف اس کے لئے ناگزیر اور اس کا سر کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ دنیا کا سر کرنا آخر کیسے ممکن ہے؟ جو خیالات اس کی رہنمائی اور ہدایت کرتے ہیں وہ کہاں سے آتے ہیں؟ وہ خارجی تہیّجات سے پیدا ہوتے اور حواس کی وساطت سے ذہن میں داخل ہوتے ہیں۔

علم کیمیا کے نظریّہ سالمات کے مطابق مادّی دنیا سالمات سے مرکب ہے جو مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ چاندی کی سلاخ چاندی کے ذرّوں اور لوہے کی سلاخ لوہے کے ذرّوں سے بنی ہوتی ہے وعلیٰ ہذا۔ نفسیّات میں ہربارٹ کا نظریّہ یہ ہے کہ ذہنی دنیا تحسّسات سے مرکب ہے اور تحسّسات متعدّد اقسام کے ہوتے ہیں۔ تحسّسات بصری سے بصری خیال اور تحسّسات سمعی سے سمعی خیال مرکب ہے۔ جس طرح مادّی دنیا کی بنیاد ذرّہ ہے۔ جس سے

تمام مادّے اور مرکب بنتے ہیں اُسی طرح دماغی دنیا کا مبدا تحسّس ہے جس سے تمام خیالات کے مرکب بنتے ہیں - پس تحسّس ایک ابتدائی ذہنی عمل ہے- کتنے ہی استقلال اور ثابت قدمی اور کیسے ہی حالات میں لگاتار تامّل یا معائنۂ باطن سے کیوں نہ کام لیا جائے اس کی مزید تحلیل ممکن نہیں ہے -

میرے سامنے ایک شکر کی ڈلی ہے- روشنی کی شعاعیں اس سے منعکس ہوتی ہیں اور آنکھوں میں نفوذ کرتی اور اُن کے تاریک پردوں پر پڑتی ہیں جس کو شبکہ کہتے ہیں- یہ عمل جسمانی ہے- شبکہ میں عصبِ بصری کے منتہیّات یعنی باریک سلاخیں اور مخروطیّات موجود ہوتے ہیں- یہاں سے ایتھر کے ارتعاشات عصبِ بصری پر سے ہوتے ہوئے ہیئت بدل کر منتقل ہوتے ہیں - حتٰی کہ دماغ کے ایک قطعہ میں خلیّات کے مجموعے تک پہنچ جاتے ہیں- یہ عمل عضویاتی ہے- مادّیین کہیں گے کہ کوئی تیسرا عمل نہیں ہوسکتا بلکہ احساسات کا شعور دماغی مادّے کی تہیّجات کا محض دوسرا نام ہے- منجملہ اکثر دوسرے علمائے نفسیّات کے ہربارٹ یہ کہیگا کہ اولاً دماغی خلیّات کے تہیّج نے ذہن پر عمل کیا اور پھر ذہن نے اس ارتسام پر عمل کیا اور اس سے سفیدی کے احساس کا شعور ہوگا- یہ عمل نفسیّاتی ہے -

اگر میں شکر کی ڈلی کو اپنی زبان پر رکھوں تو اعصابِ ذائقہ میں

اہتزاز پیدا ہوگا- وہ اس ارتسام کو دماغ تک پہنچائینگے جہاں چند اعصابی خلیّات میں تہیّج واقع ہوگا لیکن اُن خلیّات میں نہیں جو عصب بصری سے مرتعش ہوئے تھے- خلیّات اولاً کے ہیجان کا اثر ذہن پر پڑتا ہے اور پھر ذہن اُس ارتسام پر عملِ رجعی کرتا ہے یعنی ہمیں مٹھاس کے احساس کا شعور ہوتا ہے-

اگر شکر کو میں اپنے ہاتھ پر رکھوں تو اعصاب کے ذریعہ سے ارتعاشات دماغ کے لمسی قطعہ تک پہنچتے ہیں- وہاں خلیّات میں تہیّج پیدا ہوکر ذہن پر عمل ہوتا ہے اور مجھے اس امر کا شعور ہوتا ہے کہ شکر میں وزن ہے- مادّی ارتعاشات کا اثر غیر مادّی ذہن پر کیونکر پڑتا ہے؟ اگر یہ سوال لارڈ ڈنڈریری (Lord Dundreary) سے کیا جاتا تو وہ کہتے کہ "یہ اُن اُمور میں سے ہے جن کو کوئی شخص سمجھ نہیں سکتا" لیکن یہ لازمی نہیں ہے کہ محض اس بناء پر ہم اس کو باور ہی نہ کریں- بہت سے عام مظاہر ایسے ہیں جو ہماری فہم سے باہر ہیں- بقول ہربرٹ اسپنسر (Herbert Spencer) کے "ہر مادّہ میں ایک ایسا گہرا معمہ مضمر ہے جسکی تہ کو انسانی دماغ نہیں پہنچ سکتا" ٹینیسن (Tennyson) نے کیا خوب کہا ہے- "اے دیوار کی شگاف میں کھلنے والے پھول میں تجھے تیرے مقام سے توڑکر تیری جڑ ٹہنیوں اور پتّوں سمیت اپنے ہاتھ پر رکھتا ہوں- اے ننھے پھول اگر میں

سمجھ سکتا کہ تیری بساط تیرے جڑ پتّوں کی حقیقت اور اس تمام کی اصل کیا ہے تو یقیناً میں یہ بھی جان لیتا کہ خدا اور بندے کی حقیقت کیا ہے''

مذکورۂ بالا شرط یعنی "اگر میں تجھکو سمجھ سکتا" ایک بہت بڑی شرط ہے۔ ہماری محدود عقل اس کو پورا نہیں کر سکتی۔

پس کسی شخص کو لازم نہیں ہے کہ حواس کو حقارت کی نظر سے دیکھے کیونکہ محسسات وہ انتہائی بنیاد ہیں جس سے عقل۔ تاثّر۔ ارادہ اور سیرت کی تعمیر ہوتی ہے۔ بچے کھُلی ہوا میں جو وقت کھیل میں صرف کرتے ہیں وہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس یہ کھیل درحقیقت اُن کی ذہنی تعمیر میں ممدّ و معاون ہوتا ہے جو کچھ بھی دن کھُلی فضا کے کھیلوں میں صرف ہوتے ہیں۔ گو یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے عمر نہیں بڑھتی لیکن اتنا ضرور ہے کہ یہ چیز اُن کی ذہنی نشوونما میں بے حد مدد دیتی ہے اور جو لوگ آجکل کی تعلیمی دستکاری کی جانب توجہ کر رہے ہیں اُن کا دعویٰ ہے کہ وہ صرف ایک بہتر بلکہ دوسری ہی قسم کی ذہنیت پیدا کرینگے مگر ہم کو اعتدال پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہم حد سے بڑھ رہے ہیں۔

طِفلی اور شباب میں حواس نہایت ہی تیز اور تُند ہوتے ہیں اور ان کو ہونا بھی چاہیئے۔ اگر ایک چوہا جماعت میں سے گزر جائے یا مدرّس کی ناک پر کالک لگی ہوئی ہو تو دلچسپ سے دلچسپ سبق بھی خاک میں مل

جائیگا۔ جب عمر بڑھتی ہے تو حواس کی ذکاوت میں کمی واقع ہوتی ہے اور اگر اُن کی ذکاوت باقی بھی رہے تو نسبتاً اُن کی اہمیّت میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ انہیں خیالات کے ایک جمِ غفیر سے دو چار ہونا پڑتا ہے جو ذہن میں پہلے سے موجود ہوتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ جب ہم داخلی خیالات میں مستغرق ہوتے ہیں تو خارجی خیالات کو مشکل سے باریابی ہوتی ہے۔ فرض کیا جائے کہ ایک لڑکا اُندلس کے دریائی ڈاکوؤں کے قصہ کے مطالعہ میں ہمہ تن مصروف ہے اور ماں اس موقع پر بازار جانے کے لئے کہے تو وہ بالکل اس طرف ملتفت نہ ہوگا خواہ اُس کی ماں کو اس کا یقین نہ آئے۔ بعینہ اسی قسم کی محویت کے عالم میں سر اسحٰق نیوٹن نے اپنے پائیپ کا تمبا کو دبانے کے لئے ایک خاتون کی اُنگلی پر ہاتھ بڑھایا۔ زخمی سپاہی اکثر اپنے زخموں کا احساس کئے بغیر لڑتے رہتے ہیں۔ اسی طرح دُنیا کے بڑے بڑے سورما غازی اور مذہبی پیشوا اپنے خیالات کی اُدھیڑ بن میں جس قدر مصیبت اور تکلیف ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اٹھاتے ہیں اس کا نصف حصّہ بھی نہیں محسوس کرتے۔

لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ دماغ ہی سب کچھ ہے اور ذہن ہی کو مختلف محسّات کا وقوف ہوتا ہے تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ذہن کی ایسی تنظیم کی جائے کہ وہ بیرونی احساسات سے بالکل متاثر نہ ہو؟ بالفاظِ دیگر

کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ میں محض ایک ذہنی زندگی بسر کروں اور جسمانی زندگی سے بالکل الگ اور بے نیاز رہوں؟ اس میں شک نہیں ہے کہ اس مقصد کی پوری تحصیل ناممکن ہی نہیں بلکہ غالباً نامناسب بھی ہوگی۔ تاہم تربیت یافتہ دماغ کا تعلق جسمانی ماحول سے کم و بیش قطع کیا جا سکتا ہے اگر کسی کو ایسی بے نظیر مثال کی تلاش ہو جس سے یہ ظاہر ہو سکے کہ منظم ذہنی مشمولات کس طرح محسوسات کو کم کر دیتے ہیں تو کیا سینٹ پال سے بہتر بھی کوئی مثال مل سکتی ہے؟ وہ کہتا ہے کہ "یہودیوں نے پانچ دفعہ مجھے تقریباً چالیس کوڑے مارے۔ تین دفعہ ڈنڈوں سے میری خبر لی۔ تین دفعہ میں نے جہاز کی تباہی کی مصیبتیں اٹھائیں۔ ایک مرتبہ پورا دن اور پوری رات دریا میں گزاری۔ سفر کی صعوبتیں میں نے جھیلیں۔ قزاقوں کی جفائیں میں نے سہیں۔ ہموطنوں کے دکھ میں نے اُٹھائے۔ منکروں کی سختیاں میں نے الگ جھیلیں۔ بستیوں میں ایک آفت تھی تو ویرانوں میں نئی پریشانی۔ سمندر کے خطرات، دوست نما دشمنوں کی چیرہ دستی، تکان، بے چینی، شب بیداری، سرما کی شدتیں، عریانی کی مصیبت پھر ان خارجی بلاؤں کے علاوہ آئے دن کی داخلی کشمکش اور گرجے کی سیوا کا خیال مستزاد تھا" باوصف اس کے اس مقدس ہستی کی ذہنی مشمولات کی ایسی منظم حالت تھی کہ ان تمام سختیوں کو وہ ہیچ سمجھتے تھے۔

اب شکر کی ڈلی والی مثال کو پھر لو تو معلوم ہوگا کہ ڈلی کو دیکھتے ہی بچہ کے دماغ میں تین محسوسات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ کیا؟ سپیدی۔ مٹھاس اور وزن۔ بڑوں کو اس قسم کا بے لوث اور بے تکلف ابتدائی اور سادہ احساس نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ محسوسات کم و بیش اُن خیالات کے ساتھ گھلے ملے ہیں جو پہلے سے حافظہ میں محفوظ تھے۔ اب فقط وہ شعور میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ بچے کے متعلق یہ فرض کرنا پڑیگا کہ اس کے ہاں اس قسم کے ابتدائی تہیجات بالکل بے لوث ہونگے۔ جب اس کے ہر سہ محسوسات یعنی سپیدی۔ مٹھاس اور وزن کا اجتماع ہوتا ہے اور اس کا ذہن اس مادی شئے یعنی شکر کی ڈلی کی طرف جو نظر کے سامنے ہے اُن کو رجوع کرتا ہے تو ایسے عمل کو ادراک کہتے ہیں اور شکر کا مرکب خیال یعنی مٹھاس۔ سفیدی اور وزن مجموعی حافظہ میں بحیثیت درک باقی رہتا ہے۔ پس درک کی تعریف یوں ہوگی کہ یہ ایک ایسے احساسات کا مجموعہ ہے جو کسی مادی شئے کی جانب جو نظر کے سامنے ہو رجوع کرے۔

ایک مرتبہ تجربہ کرنیکے بعد کہ شکر کی ڈلی سفید۔ میٹھی اور وزن دار ہوتی ہے اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ بچوں کے تینوں حواس ادراک کے وقوع کے لئے دوبارہ عمل کریں۔ مثلاً شکر کو دیکھتے ہی مٹھاس اور وزن کے خیالات عود کر آئینگے اور اُن کا ادراک وقوع میں آئیگا۔ پس

جس کسی بات کا ہم ادراک حاصل کرتے ہیں وہ کچھ تو ہمارے حواس سے ہوتا ہے کچھ اُس شئے سے جو ہماری نظر کے سامنے ہو لیکن اس کا بڑا حصّہ سابقہ مشمولاتِ ذہن سے پہنچتا ہے۔

جب کسی تقریر کے سننے میں ہم اپنے ادراک سے کام لیتے ہیں تو بہت سے الفاظ جن کو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم سُن رہے ہیں درحقیقت ہم اُن کو سُنتے نہیں بلکہ اپنے ذہن سے مہیا کرتے ہیں۔ ایسی زبان جس سے ہم مانوس ہیں خواہ کوئی کتنی ہی تیز غیر واضح یا دبے ہوئے لہجہ میں بولے ہم اُس کو بخوبی سمجھ لینگے۔ برخلاف اس کے غیر مانوس زبان ان شرائط کے تحت خاک بھی سمجھ میں نہیں آئیگی۔ کیونکہ اُن خیالات کی رسائی جن کے ذریعہ سے ہم آواز سے مفہوم سمجھتے ہیں ہم تک فوراً نہیں ہوتی اور وہ ایسی کمزور طلب پر حاضر نہیں ہوتے۔ انگریز شکایتاً اکثر یہ کہتے ہیں کہ "فرانسیسی بلا کی تیزی سے گفتگو کرتے ہیں ورنہ ان کو سمجھنا کونسی بات ہے" لیکن اگر ان کے ہم وطن انگریزی میں اس سے دگنی رفتار سے بھی بولیں تو اُن کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ لیزیرس (Lazarus) کہتا ہے کہ "جو اشخاص ناول اور اخبار بینی میں مشّاق ہیں وہ کسی طرح اسی قدر تیزی کے ساتھ مطالعہ نہ کرسکیں گے اگر اُن کو الفاظ کے ادراک کے لئے ہر لفظ کے ہر ایک حرف کو صحت کے ساتھ پڑھنا

پڑتا۔ مطبوعہ صفحہ کے نصف الفاظ کو بھی پورے طور پر نہیں پڑھتے۔ اکثر و بیشتر الفاظ اُن کے ذہن سے نکلتے ہیں"

جب یہ معلوم ہوا کہ ادراک کا انحصار دو چیزوں پر ہے۔ ایک تو خارجی احساس اور دوسرے وہ داخلی تحسسات جو دماغ سے اس کے جواب میں نکلتے ہیں تو ایسی صورت میں یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان دو میں سے کوئی ایک غلط ہو تو ہمارے کامل ادراک میں اسی کے مطابق غلطی واقع ہو گی اس قسم کی غلطیاں اکثر وقوع میں آتی ہیں اور خارجی احساس پر اس کا الزام تھوپا جاتا ہے حالانکہ اس کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ ارواح سے مخاطبت کے ڈھکوسلے جو تاریک کمروں میں عمل میں لائے جاتے ہیں درحقیقت وہ کیا ہیں؟ ایک شخص دیکھتا ہے کہ سر سے پیر تک چادر میں لپٹی ہوئی مورت اس سے کہہ رہی ہے کہ میں تمہاری مرحومہ بہن کی روح ہوں، تاریکی۔ بے تابانہ انتظار۔ فوق العادت اشیاء سے مخاطبت کرانے کی اثر آفرینی۔ یہ تمام چیزیں جن کا اہتمام خوب سوچ سمجھ کر کر لیا گیا ہے انسانی دماغ میں قبل از قبل خیالی تصویریں پیدا کرتی ہیں۔ پھر کونسے اچنبھے کی بات ہے اگر انسان محسوس کرے کہ وہ بعینہ وہی مشاہدہ کر رہا ہے جس کی اثر آفرینی کی جا رہی ہے۔ وہ سر سے پیر تک چادر میں لپٹی ہوئی مورت کو دیکھتا ضرور ہے اس کا خارجی ادراک بھی صحیح ہے۔ دھوکہ جو کچھ ہے

اُن اشیاء کا ہے جو اس کے ذہن میں پیدا کی گئی ہیں - پروفیسر جیمس کہتا ہے کہ "اگر ہم ان مغالطہ انگیز کارروائیوں کی پوری پوری تحقیق کریں تو ہم کو نفسیاتِ ادراک کے متعلق نہایت بیش قیمت مواد بہم پہنچے گا"۔

اس ضمن میں حسب ذیل قصّہ بامحل معلوم ہوتا ہے - کہتے ہیں کہ ایک طبعیّ کے گھر میں زہریلے سانپوں کا ایک صندوق تھا- ایک دن اُس کے ایک بدسلیقہ نوکر نے صندوق کو توڑ دیا- سانپ باہر نکل پڑے- تلاش کرنے سے سب مفرور سانپ مل گئے لیکن ایک کا پتہ نہ چل سکا- اُسی رات کو مالی جو دل کا کمزور تھا حسبِ عادت بالاخانہ کی کوٹھری میں سونے کے لئے گیا- چادر اُٹھا کر اور تکیوں کو اُٹھا کر اُس نے اچھی طرح دیکھ لیا اور خیال دوڑانے لگا کہ سانپ کہاں ہو گا- اتنے میں اُس نے ایک پھنکار کی سی آواز سنی اور پنڈلی پر سانپ کے کاٹنے کی تیزی اور شدت بھی محسوس کی- وہ گھبرا کر اُٹھا اور چیختا ہوا کمرے کے باہر دوڑا سانپ! سانپ نے مجھے کاٹا- چند گھنٹوں تک اُسے سخت تکلیف رہی اور اُس نے اُن ہی علامات کا اظہار کیا جو مارگزیدہ کیا کرتا ہے لیکن موت سے بال بال بچنے کے بعد جب اُس کے حواس درست ہوئے اور وہ اس قابل ہوا کہ پورا واقعہ بیان کرے تو اُس کے کمرے کی تلاشی لی گئی اور اُس کے بستر کے نیچے

سانپ نہیں بلکہ ایک ہنس پایا گیا جس کا وہاں موجود رہنا مالی کو معلوم ہی ہو گا۔ اس کو جو ادراک ہوا وہ غلط تھا لیکن اس میں خارجی تہیّج کا کوئی قصور نہیں تھا بلکہ تمام فتور اُس ادراک کا تھا جو دا خلاً غلط طور پر محرک ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ ادراک کی توضیح اس کی تمام مصیبت کا باعث ہوئی۔ اس قسم کے ادراکی توہم، دھوکہ، التباس اور رواہئیّت کا پورا مضمون نہایت دلکش ہے مگر ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے اور اس کی طرف محض اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ہم شکر والی مثال کو پھر لیتے ہیں فرض کرو کہ میں نے اپنے حواس کو کسی خاص ڈلی پر استعمال کیا تو ایسی حالت میں گویا میں نے شکر کا درک اپنے حافظہ میں جمع کیا اور جب کبھی مجھے اس شئے کا خیال آئیگا تو میں اپنے ذہن میں اُس خاص ڈلی کی تصویر یا نقشہ قائم کرونگا۔ بتدریج میرے تجربہ میں اضافہ ہوتا ہے اور میں یہ معلوم کرتا ہوں کہ سفید شکر بھی ہوتی ہے۔ بادامی بھی اور شفاف بھی نیز دانہ دار بھی ہوتی ہے وغیرہ۔ درحقیقت میں نے متعدد جداگانہ درک قائم کئے ہیں اور یہ سب باہم ملکر ایک تصوّر بنتے ہیں۔ اب مجھے شکر کا خیال آتا ہے تو میں کسی خاص نمونے کی شکر کا جس کو میں نے دیکھا ہے صاف تصوّر قائم نہیں کرتا بلکہ میرے ذہن میں ایک قسم کا مخلوط نقشہ موجود ہوتا ہے جو متعدد نقشوں کی آمیزش، اختلاط

اور اتّصال سے بنا ہے اور جس میں انفرادی اختلافات دھندلے پڑ گئے ہیں۔ گویا اس نقشہ میں صرف مشترک علامات صاف طور پر پائے جاتے ہیں۔

جس تصوّر یعنی شکر کی ہم نے مثال دی ہے وہ ایک محدود مثال ہے اور وہ کیمیائی مرکب ہے۔ اگر ہم بجائے شکر کے اس اصلاح پر غور کریں تو ہمارے مشاہدہ کا میدان نہایت وسیع ہو سکے گا بلکہ ہم کو اتنی مثالیں ملینگی اور ان کے خواص میں اتنا بڑا فرق ہوگا کہ ہم کوئی ذہنی تصویر یا نقشہ قائم ہی نہیں کر سکیں گے۔ جس قدر زیادہ تصوّرات مجرد ہونگے اُسی قدر ان نقشوں کا تخیلہ یا تمثال جس کو وہ تازہ کرتا ہے دھندلا ہوگا۔

اس باب کے آخر میں ہم ایک خلاصہ درج کرتے ہیں اور جن اصول کا ہم نے ذکر کیا ہے اُس کے عملی پہلو کی طرف اشارہ کئے دیتے ہیں۔

جس وحدت سے ذہنی مشمولات کی تعمیر ہوتی ہے وہ احساس ہے جس کے تہیّج کو حواس مہیا کرتے ہیں۔ تحسّسات کے باہم ملنے سے درک کی تشکیل ہوتی ہے۔ عمل ادراک میں ایک نہایت ابتدائی وجود کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد صرف ایک ہی خارجی ادراک باقی رہ جاتا ہے۔ بقیہ عاملین ادراک وہ ہوتے ہیں جو اس خارجی احساس کے جواب میں ذہن سے نکلتے ہیں یا جو یاد آتے ہیں۔

درک باہم مل کر تصوّرات بنتے ہیں جو کم و بیش مجرد ہوتے ہیں۔

پس ذہنی حیات ایک عمل ارتقا ہے یعنی پہلے احساس پھر ادراک اور اس کے بعد تصوّر ہوتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ "جو کچھ ہے بنیاد ہے" ذہنی تعمیر و تشکیل پر اس کا پورا پورا اطلاق ہوتا ہے اور تربیت حواس نہایت اہم اور ناگزیر ہے۔ گھر اور کھلی فضا کے کھیل جن کے لئے ہاتھ اور آنکھ کی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے دستی مشاغل۔ ورزش جسمانی۔ مشاہدہ کی باقاعدہ عادت یہ سب حواس کو تربیت دیتے اور ذہنی تعمیر کے لئے لوازمات ضروری مہیا کرتے ہیں۔ اس امر کا اندیشہ ضرور ہے کہ ہم ابتدا پر ضرورت سے زیادہ توجہ صرف کریں اور عمل کے جاری رکھنے کا کافی خیال نہ رکھیں۔ ریڈ انڈین (Red Indians) یعنے امریکہ کے قدیم باشندوں کے حواس غالباً انگریزوں کے حواس سے بہتر ہیں۔ لیکن ریڈ انڈین اس لئے پیچھے ہیں کہ وہ اپنے حواس کو تربیت اور ترقی نہیں دیتے۔ مجرّد خیالات یا تصوّرات کے قائم کرنے کی طاقت ہی ذہنی ترقی کا معیار رہے۔

اپنے حواس کو تربیت دو اور کوشش کرو کہ تمہارے ادراکات صحیح اور قطعی ہوں۔ تصورات کے قائم کرنے کی عادت ڈالو اور بتدریج اُن کے حلقہ کو وسعت دو اور تصوّرات کی صحت کا خاص طور پر خیال رکھو۔ اگر ان تین زرّین قاعدوں پر عمل کرو گے تو اپنی ذہنیت کو اعلیٰ ترقی دینے کے مقصد میں تم کو کامیابی ہو گی۔ آنے والے صفحات میں ہم تحسّسات۔

درک اور تصوّرات کا مطالعہ بحیثیت خیالات ہی کرینگے - ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب دماغ میں کس طرح داخل ہوتے ہیں۔ اب ہم کو یہ معلوم کرنا ہے کہ جب وہ ذہن میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں کیا ہوتا ہے اور وہ کونسی مشین ہے جو ان کو ملا کر پیچیدہ مجموعے بناتی ہے -

چھٹا باب

شعور

ہم یہ کہا کرتے ہیں کہ خیالات مشمولاتِ ذہن ہیں لیکن یہاں ایک غلط فہمی سے متنبّہ کر دینا غالباً بیجا نہ ہوگا، جب ہم خیالات کا ذکر کرتے ہیں تو اس اصطلاح سے ہمارا یہ مطلب نہیں کہ چند اُمور جنھیں خیالات سے تعبیر کیا جاتا ہے خارجی چیزوں سے علٰحدہ ہو کر نفس میں جاگزیں ہوتے ہیں۔ ہم خیالات کو نفس میں اس طرح جگہ نہیں دیتے جیسے روپے پیسے کو کیسۂ زر میں جگہ دیجاتی ہے۔ ایسی صورت میں کیسۂ زر اور روپیہ پیسہ دو جداگانہ چیزیں ہوتی ہیں۔ بخلاف اس کے حواس کی تحریک پر جو حالت یا کیفیت نفس میں پیدا ہو اُسے خیال کہتے ہیں۔ پس خیالات نفسی واردات یا کیفیات ہیں۔ اگر ہم امتحانی نلی میں گندھک ڈال کر گرم کریں تو گرمی کی حرکت گندھک میں کوئی نئی چیز نہیں بڑھا دیگی۔ بلکہ اس کی حالت کو دلچسپ طریقوں سے بدل ڈالیگی۔ جو گندھک کے حالات ہیں وہی نفس کی کیفیّات و حالات ہیں۔ آخرالذّکر کے حالات کو ہم خیالات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ گندھک اور نفس کی تشبیہ بھدّی ضرور ہے مگر اپنی جگہ پر موزوں ہے۔

اکثر ہمارے خیالات کسی خاص وقت میں شعور کے باہر ہوتے ہیں۔ یعنی اس وقت ہم اُن کی سوچ بچار نہیں کرتے اور جو موجود ہوتے ہیں اُنہیں ہم مختلف اصطلاحوں مثلاً شعور کی توجّہ یا رَو یا عرصۂ شعور سے موسوم کرتے ہیں۔ شعور کی رَو یا توجّہ ایک ہی خیال سے نہیں بلکہ متعدد خیالات سے مرکب اور پیچیدہ ہوتی ہے۔ غالب گمان ہے کہ یہ ایک حیرت انگیز مرکب شئے ہے جس میں جسمانی تحسّسات۔ گرد و پیش کی اشیاء کے نقوش۔ پچھلے واقعہ کی یادِ تحسّسات اور قوّتِ ارادی کے عزائم شریک رہتے ہیں۔

ہمارے شعور کی بیشتر حالتوں میں یہ سب اجزا مختلف تناسب سے شامل ہوتے ہیں۔ کبھی جسمانی تحسّسات کا غلبہ ہوتا ہے تو کبھی عقل اور قوّتِ ارادہ وغیرہ کا۔ لیکن شعور مجرّد کسی ایک سے پیدا نہیں ہوتا۔ ان میں سے کوئی ایک کتنا ہی نمایاں کیوں نہ ہو۔ مگر اس کے حاشیہ بردار دوسرے بھی ہوتے ہیں۔

جو چیزیں ہمارے خیال میں ہوتی ہیں اُن میں سے عموماً صرف ایک ہماری توجہ کا مرکز ہوتی ہے۔ اگر ایک دائرہ کھینچا جائے جو ہمارے شعور کی وسعت کو ظاہر کرے اور اس دائرے کا مرکز ہماری توجہ کا مرکز ہو تو جو خیالات اس دائرے میں موجود ہوں گے وہ مرکز سے

جس قدر قریب یا بعید ہوں اُسی مناسبت سے روشن یا دُھندلے ہوں گے۔

عرصات شعور کے متعلق سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کس طرح ان کی (تجزّی) اور تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ بعض وقت ایک قسم کا شعور دوسرے میں بتدریج تحلیل ہو جاتا ہے۔ کبھی مرکز وہی قائم رہتا ہے اور حاشیہ میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ بعض وقت دفعتہً پورے عرصۂ شعور میں گوناگوں تبدیلی ہوتی ہے۔ ان تبدیلیوں کی ہم کوئی تقسیم صحت کے ساتھ نہیں کر سکتے زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر عرصۂ شعور میں ایک طرح کا عملی اتحاد ہوتا ہے۔ ایک کو ہم شبہ کی حالت کہتے ہیں۔ دوسری کو یقین، تیسری کو جذبہ کی حالت، چوتھی کو ارادہ کی حالت، اور پانچویں کو حالت تجرید وغیرہ۔

فی الوقت میرا عرصۂ شعور اور چیزوں کے علاوہ اس میں مشغول ہے کہ میں مضمون کی غور و فکر میں ہوں۔ نتائج کا استخراج کر رہا ہوں، مجھے اعضاء شکنی کا احساس ہے۔ یہ بات میرے حافظہ میں ہے کہ میرے بچے سو رہے ہیں۔ میں تکان محسوس کر رہا ہوں۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ یہ باب ختم کر کے اُٹھوں اور اس کے علاوہ پائپ منہ میں دبائے رکھنے سے جبڑے کے پٹھوں کے تناؤ کو بھی محسوس کر رہا ہوں اِس وقت مرکز

توجہ مضمون کی غور و فکر ہے۔ اس کے بعد مستخرجہ نتائج کے لکھنے کی باری آتی ہے۔ اس کے بعد باقی تمام خیالات مرکز سے دُور ہیں۔ جب میری توجہ کمزور پڑ جاتی ہے تو اینٹھی ہوئی انگلیوں یا پائپ کے بُجھ جانے کا خیال تھوڑی دیر کے لئے مرکز توجہ پر آجاتا ہے۔ اس اثناء میں اگر کوئی شخص دریچہ سے جس کے سامنے میں بیٹھا ہوا ہوں اچانک طور پر پتھر پھینک دے تو میرے عرصۂ شعور کا سارا نقشہ بدل جائیگا۔

پس ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے عرصات شعور:—

(۱) ہمیشہ مرکب اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔

(۲) ہمیشہ ان کا ایک مرکز اور ایک حاشیہ ہوتا ہے۔

(۳) ان میں ہمیشہ تبدیلی اور منتقلی ہوتی رہتی ہے۔

(۴) ان کی ٹھیک تقسیم تو نہیں ہو سکتی مگر غالب رنگ اور کیفیّت کے مطابق ایک حد تک ہو سکتی ہے۔

قارئین نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ اُوپر شعور کا محض ایک خاکہ نفس پر نظر ڈالنے کے بعد پیش کیا گیا ہے اور ہم نے طریقِ تاءمّل سے کام لیا ہے۔ ہمارے امتحان نے ہر ایک چیز کی تجزی کر کے دیکھا۔ یعنی شعور کے الگ الگ ٹکڑے کئے گئے جو کچھ ہم نے دیکھا۔ اُسے قلم بند کر لیا۔ پس تشریحی نفسیّات کا موضوع صرف واقعات ہی ہوا کرتے ہیں۔

مسٹر گریڈگرنڈ (Gradgrind) اپنی (کتاب) "ہارڈ ٹائیمس" (Hard Times) میں بیان کرتے ہیں کہ "انسانی زندگی میں محض واقعات کی ضرورت ہے۔ ان ہی کو جگہ دو اور ان کے سوا ہر چیز کی بیخ کنی کر ڈالو۔ حیوان ناطق کے نقوش کی تشکیل واقعات ہی سے کی جا سکتی ہے۔ اُن کے علاوہ اور کوئی چیز کار آمد نہ ہوگی۔ دوستو! واقعات کو ہاتھ سے جانے نہ دو" اس میں شک نہیں کہ تشریحی نفسیات مسٹر گریڈگرنڈ کے منشاء کے مطابق ہے کیونکہ اس کو محض واقعات سے سروکار ہے۔"

لیکن ہربارٹ نے تشریحی نفسیات پر قناعت نہیں کی کیونکہ اسکی نظر میں تشریحی نفسیات کی رسائی دور تک نہ تھی۔ جب اُس نے تحلیلی طریقہ سے واقعات معلوم کر لیئے تو ایک قدم بڑھکر واقعات کی توضیح کی خواہش کی۔ پس اُس نے ترکیبی نظریہ قائم کیا اور تحسسات کے اجزا سے ذہنی مشمولات کی تعمیر کی کوشش کی۔

وہ اس کی تعلیم دیتا ہے کہ خیالات ایک دوسرے سے اشتراک نہیں رکھتے بلکہ ذہن میں جگہ پانے کے لیئے آپس میں مقابلہ کرتے ہیں۔ لینگ (Lange) جو ہربارٹ کا ممتاز پیرو ہے بیان کرتا ہے کہ "قدرت طرح طرح کی ترغیب و تحریص سے ہمارے حواس پر اثر ڈالتی ہے۔ وہی شعاع نور بھیج کر بصارت بخشتی ہے تاکہ کائنات کے گوناگوں عجائبات کا

مشاہدہ کیا جائے اور وہی روحِ انسانی کے دروازہ کو کھٹکھٹا کر نطق و لمس اور دوسرے حساّس اعصاب کے تہیجّات کے ساتھ دل میں داخل ہونے کی متمنّی رہتی ہے" جارج ہربرٹ (George Herbert) جو شاعر ہے اور ہربارٹ کا معتقد نہیں اسی قسم کے خیالات ظاہر کرتا ہے۔ اُس کی رائے میں انسان کے خدمت گزار اتنے بہت ہیں کہ سب کی طرف توجہ بھی نہیں ہو سکتی۔ ان میں انسان کی خدمت گزاری کے لئے اچھا خاصا مقابلہ ہوتا رہتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خیالات نفس انسان میں جگہ پانے کے لئے برسر پیکار رہتے ہیں۔

لیکن جیسا کہ انسان بمقابلہ جاروب کش کے شہری منشی بننا زیادہ پسند کرتا ہے اسی طرح خیال کی نظر میں ذہن کے تمام مقام ایک ہی قدر و قیمت کے نہیں ہیں۔ یہاں پر پروفیسر آڈمس (Adams) نے ایک اچھوتا اور روشن خیال ظاہر کیا ہے۔ وہ شعور کو نہ تو رونہ تموّج اور نہ عرصہ ہی سے تعبیر کرتا ہے۔ بلکہ مثل گنبد کے سمجھتا ہے جس کی چوٹی عزت کی جگہ ہے۔ تمام خیالات اُسی مقام تک پہنچنے میں کوشاں اور آپس میں برسر پیکار رہتے ہیں۔ چوٹی سے جس قدر قریب کسی خیال کی رسائی ہوگی اُتنا ہی یہ امر اس کیلئے مسرّت کا باعث ہے۔ اس گنبد میں خیالات کی ریل پیل کا لحاظ کرتے کسی خیال کا صرف اس گنبد میں داخل ہو جانا ہی باعث افتخار ہے۔ اس گنبد کی انتہائی بلندی پر خیالات

صاف اور روشن ہوتے ہیں - لائڈ مارگن (Lloyd Morgan) کے الفاظ میں اس قسم کے خیالات مرکزی کہلاتے ہیں - گنبد کے نچلے حصہ میں وہ دھندلے اور مضمحل ہوتے ہیں - لائڈ مارگن انھیں حاشیہ بردار خیالات اور ولیم جیمس (William James) محیط خیالات سے موسوم کرتا ہے - غرض کہ خیالات گنبد سے جس قدر نیچے ہوتے جائینگے اُسی قدر دھندلے اور کمزور پڑتے جائینگے -

جن بدنصیب خیالات کو اس گنبد میں اچھی جگہ نہیں ملتی وہ اعلیٰ مدارج کے حصول کو اپنا مقصد بنائے ہوئے اوپر پہنچ جانے کی کوشش کرتے ہیں - یا باوجود جدوّ جہد کے مجبور کیے جاتے ہیں کہ نچلے حصہ ہی میں دبک رہیں - یہ سچ ہے کہ یہاں وہ شعور سے باہر یا تحت الشعور ہوتے ہیں مگر ان کا وجود ضرور رہتا ہے - اس گنبد کے دامن کو دہلیز کہنا چاہیئے جو شعور کا پہلا زینہ ہے -

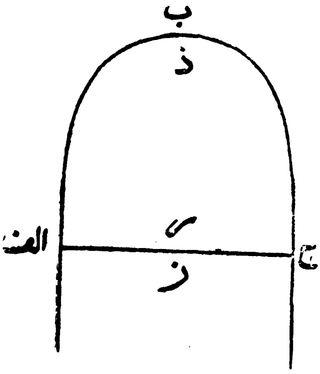

اس شکل میں ا ب ج ہمارے شعور کا گنبد ہے اور ا ج اس کی دہلیز ہے - د ہمارا وہ تصوّر ہے جو چوٹی سے قریب ہے - ر گنبد کے زیرین حصہ پر ہے اور ز دہلیز کے نیچے یعنی ہمارے شعور سے باہر مگر ذہن سے خارج نہیں ہے -

جب کوئی خیال اجنبی کی حیثیت سے اس گنبد میں داخل ہوتا ہے تو اُس کا قیام شاذ و نادر ہی دیر تک رہتا ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ وہ جلد اُفق یعنی شعور کی دہلیز کے نیچے غروب ہو جاتا ہے۔ اگر اس کو واپسی کی خواہش ہو تو اُسے کو موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور دوسرے خیالات سے گھُل مل کر روابط پیدا کرنے چاہئیں۔ ورنہ باریابی کی کوئی امید نہیں۔ مثلاً ایک شخص جو علم کیمیا سے بالکل بے بہرہ ہے یہ پڑھتا ہے کہ متھل (Methyl) ایک عضوی مرکب ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس خیال کا کیا حشر ہوگا۔ اس خاص خیال کا داخلہ کسی نہ کسی طرح اس گنبد میں ہوا لیکن وہ جلد ہی شعور کے زینے سے نیچے گر جائیگا اور پھر عود کرنے کی غالباً کوئی صورت نہ ہوگی کیونکہ ایک بھی ہمجنس خیال کے نہ ملنے سے اُس کا نام تک دوبارہ نہیں آتا۔ جو لوگ کالم کے کالم غیر متعلق اجزاء کے پڑھتے جاتے ہیں اور مختلف حصوّں کے درمیان غور و فکر کے لئے نہیں ٹھیرتے اُن کا خاص مقصد یہ ہوتا ہے کہ دماغی بے شغلی یا تعطّل کا بار دور رکھا جائے۔ یہ لوگ گنبد شعور میں ایسے خیالات کو جگہ دیتے رہتے ہیں جو فوراً اُفق سے ڈھلک کر ہمیشہ کے لئے نسیاً منسیّا ہو جاتے ہیں۔

جب ایک خیال اپنی نوعیت کے دوسرے خیال سے تعلّق اور یگانگت پیدا کرلے تو اُن میں رفاقت پیدا ہو جاتی ہے اور جب وہ گنبد

میں واپس بلا لیا جاتا ہے وہ اپنے پرانے رفقا کو نہیں بھولتا اور چوٹی پر پہنچنے کی کشمکش میں اپنے دشمنوں سے مردانہ وار دھنگا مُشتی کرتے ہوئے اپنے احباب کو بھی کھینچ لانے کی کوشش کرتا ہے۔

فرض کیجیے کہ ایک طالب علم نے یہ پڑھا کہ "جان فریڈرک ہر بارٹ سنہ ۱۷۷۶ء میں پیدا ہوا" لڑکے کے ذہن میں یہ خیال ابھی کوئی چیز نہیں پاتا جس سے یہ تعلق پیدا کرے اس لئے یہ اس کے ذہن سے نکل پڑتا اور گم ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے اگر ایک باخبر شخص ان ہی الفاظ کو پڑھے تو یہ خیال اُن بے شمار خیالات سے جو جرمنی یا وہاں کی علم التعلیم اور نفسیات سے متعلق اس کے ذہن میں موجود ہیں رابطہ پیدا کرلیگا اور جب کبھی ان میں کا کوئی خیال مرکز شعور پر آئے گا تو اس کی کوشش کرے گا کہ ہر بارٹ کی پیدائش کے خیال کو بھی اپنے ساتھ لے آئے۔

ولیم جیمس خیالات کے اس اتحاد کو عمل تلازمات کی اصطلاح سے نامزد کرتا ہے اور اس کی رائے میں ان خیالات کا یہ فعل دو اساسی قانون یعنی قانون مقاربت اور قانون مشابہت پر مبنی ہے۔

قانون مقاربت کے تحت ایک خیال دوسرے خیال کی یاد دلاتا ہے کیونکہ پہلے ذہن میں ہر دو ایک دوسرے کے قرین تھے۔ مثلاً میں حروف تہجی پڑھنا شروع کروں۔ اور "ع" پر رک جاؤں تو یہ ممکن نہیں ہے کہ میں غ کا خیال نہ کروں۔ یہ دونوں میرے ذہن میں کسی وقت

پاس پاس تھے اس لئے "ع" اپنے دوست "غ" کو پکڑ بلائیگا۔ بالفاظ دیگر ایک لڑکے کو جو فارسی پڑھ رہا ہو گھوڑے کی تصویر دکھا کر "اسپ" کہا جائے تو آواز اور اُس کا خیال ہر دو بیک وقت شعور میں آجائینگے۔ جب ان میں سے کوئی ایک ذہن میں ہو تو دوسرا بھی ذہن میں آجائیگا۔ یہ صورتیں اِیتلاف کی ازروئے قانون مُقاربت ہیں۔

قانون مشابہت کا یہ منشاء ہے کہ جب قانون مُقاربت سے کسی واقعہ کی توجیہ نہ ہوسکے تو جو خیال طلب کیا جاتا ہے وہ خود اس کے یاد دلانے والے خیال کے مشابہہ ہوتا ہے حالانکہ اس سے پیشتر کبھی ہم کو ساتھ ساتھ ان دونوں خیالات کا تجربہ نہ ہوا ہو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی خاص وضع کے آدمی کو دیکھ کر چڑیا کی یاد کیوں آتی ہے۔ حالانکہ غالباً ہم نے کبھی اُسے چڑیا کی موجودگی میں نہ دیکھا ہو۔ پس یہ عمل تلازمات ازروئے قانون مُقاربت نہیں ہے لیکن اُس شخص کی آنکھ میں چمک ہے اور وہ سر کو ایک طرف جھکا کر دیکھتا ہے اور اُس میں بُزدلی۔ شوخی اور تجسّس کی آمیزش پائی جاتی ہے یہ خصائص چڑیا کے خصائص سے ملتے جلتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صورت اِیتلاف کے عمل کی ازروئے قانون مُشابہت ہے۔

ولیم جیمس کہتا ہے کہ "کسی نظم کے الفاظ یا ہندسہ، مُثلث کے گُر یا

تاریخی واقعات اور مادّی چیزوں کے خواص کو ہم مُعین نظام کی حیثیت سے جانتے ہیں یا معروضات کے مجموعے کی حیثیت سے جو کئی مرتبہ کے دُہرانے سے خاص ترتیب کے ساتھ ایک دوسرے سے مربوط ہو کر ہم کو یاد آجاتے ہیں اور ان کا ایک جزو دوسرے اجزاء کو یاد دلاتا ہے۔ خشک اور غیر شاعرانہ دماغ میں قریب قریب سارے ذہنی نتائج تکرار اور اثر آفرینی کے ڈھرّے پر چلتے ہیں (قانون مقاربت) بخلاف اس کے ظرافت پسند اور تخیل آفرین ذہن کے سامنے یہ بندھا ہوا سلسلہ بآسانی ایک لمحہ میں غائب ہو جاتا ہے۔ ذہنی معروضات کا ایک حلقہ دوسرے حلقہ کو یاد دلاتا ہے جس کے ساتھ وہ انسانی غور و فکر کی تاریخ میں شاید کبھی متصّل نہیں رہا تھا۔ جن اشیاء کا یکے بعد دیگرے خیال کیا گیا اُن کے مابین اتّصال پیدا کرنے کا ذریعہ عموماً کسی نہ کسی طرح کی مشابہت ہی سے ہوتا ہے۔ بسا اوقات مشابہت اس قدر نازک اور لطیف ہوتی ہے کہ گو ہم اُسے محسوس کرتے ہیں مگر اس کے سبب اور بنیاد کی تحلیل بہ دِقّت کرسکتے ہیں۔ مثلاً سرخ رنگ میں ہم ایک طرح کی مردانیت کی جھلک پاتے ہیں اور زردی مائل نیلے میں نسانیت یا اگر ہم تین شخصوں کے خصائل کا اندازہ کریں تو ایک گربہ صفت معلوم ہوگا دوسرے سے کتّے کی خصوصیات یاد آئیں گی

اور ممکن ہے کہ تیسرے کا مشاہدہ گائے کی یاد تازہ کرے گا" (قانون مشابہت)۔

یوفر (Ufer) اپنی دانست میں تلازمات کی یوں توضیح کرتا ہے:۔

قانون مشابہت:۔ اگر ہم آج ایک خوشنما منظر دیکھیں جو پہلے کے دیکھے ہوئے منظر کی طرح ہے تو آخرالذکر منظر کا نقشہ ذہن میں کھنچ جائیگا۔

قانون اضداد:۔ جیسے ایک فضول خرچ اور مُسرف سپوت کو موجودہ تکلیف اور پریشانی سے اپنے قدیم گھر کی آسائش اور آرام یاد آتا ہے۔

قانون تواتر یا تسلسل:۔ یہ حروف تہجی کے یاد کرنے میں بہتر طریقے پر واضح ہو سکتا ہے۔

قانون ہم وجودیت:۔ جب فرعون (عزیز مصر) نے اپنے ساقی کو قید سے آزاد کیا تو یوسف علیہ السلام سے جو وعدہ کیا تھا کہ اپنی آزادی کے بعد آپ کی آزادی کی بھی کوشش کرونگا اس کو وہ فراموش کرگیا۔ بعد ازاں فرعون کے خواب سے ساقی کو اپنے خواب کا خیال آیا جس کی تعبیر یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں دی تھی (قانون مشابہت) اور پھر اس کی تعبیر کا خیال قانون تواتر یا تسلسل کی مدد سے ہوا۔ اس کے بعد یوسف

علیہ السلام کی درخواست یاد آئی۔ یہاں قانون ہم وجودیت نے اپنا عمل کیا۔

ذہن کی مشین میں یہ قوانین تلازمات بڑی حد تک ازخود کام کرتے ہیں اور ان کا عمل بغیر توجہ کی شاعرانہ سعی کے جاری رہتا ہے۔ اس قسم کی توجہ انفعالی یا مجہول توجہ کہلاتی ہے لیکن جب ہم اپنے عالم شعور میں توجہ سے کام لیں اور خیالات کو مربوط کرنے کی کوشش کریں تو اس طریقہ عمل کو تفکر کہیں گے اور یہاں ہماری توجہ فعلی ہوگی۔ منظم ذہنی مشمولات کے لئے غور و فکر ازبس ضروری ہے۔

جس وقت میں اس کے لکھنے میں مصروف ہوں دروازہ پر بقال کالڑکا اپنی ٹوکری میں متعدد چیزیں لئے میرے ملازم کے انتظار میں کھڑا ہے۔ اس ٹوکری میں (۱۶) مختلف اشیاء ہیں۔ ایک بدسلیقہ ملازم جسے تمیز و باقاعدگی کا خیال نہو ان چیزوں کو گڈمڈ طریقے پر تلے اُوپر لون مرچ ادرک پنیر مربہ شکر اور دیا سلائی گوشت وغیرہ کو ایک جگہ ڈال دیگا۔ بخلاف اس کے سلیقہ مند ملازم جس کی طبیعت میں باقاعدگی ہو اور جو "ہر چیز کے لئے مقررہ جگہ اور ہر جگہ کے لئے مقررہ چیز" کے مقولہ پر عامل ہو ان چیزوں کو چھانٹ لیگا اور اپنی اپنی جگہ میز کے خانہ میں جما دیگا۔ اکثر اشخاص اپنی ذہنی مشمولات سے اسی طرح کام لیتے ہیں جیسے کہ پھوہڑ خادمہ ساگ پات اور مسالہ رکھتی

ہے۔ وہ بلا سوچے سمجھے مختلف معلومات کو دماغ میں بھرتے جاتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ کہاں رکھا جائے۔ ضرورت کے وقت انہیں خواہ مخواہ زحمت ہوتی ہے اور اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کون چیز کہاں رکھی گئی ہے۔ بسا اوقات پچھلی جمع کی ہوئی معلومات ضائع جاتی ہیں جس طرح باورچی خانہ کی الماری میں قرینہ اور ترتیب کی ضرورت ہے اسی طرح ذہنی مشمولات کی ترتیب میں منظم غور و فکر لازمی ہے۔

حافظہ کا مدار قوانین تلازمات پر ہے یا ہربارٹ کی اصطلاح میں جیسا کہ ہمیں آگے چل کر معلوم ہوگا ادراکی مواد پر ہے۔ اچھے حافظہ کی پانچ خصوصیتیں ہیں:—

(۱) تحصیل علم میں حد سے زیادہ کوشش کی ضرورت نہو..... (سہولت)

(۲) جو کچھ حاصل کیا گیا ہے بلا تبدیلی باقی رہے .... (حفاظت یا امانت)

(۳) اس میں پائیداری ہو .... (استقامت)

(۴) وہ جلد یاد آجائے.................................. (استحضار)

(۵) اس میں وسعت ہو........ ....(وسعت)

جب ہم خیالات کو ذہن میں محفوظ کرتے ہیں اور قوانین تلازم کی مدد سے یعنی فطری طور پر اُن کو تقسیم کر لیتے ہیں تو گویا ہم حافظۂ تمیزی کو کام میں لاتے ہیں۔

اگر ہمیں ایسے واقعات یاد کرنا ہوں جن کا آپس میں بطور خود کوئی تعلق نہو تو ہم حافظۂ رسا کو کام میں لائینگے۔ اسی طرح موسیقی کے مختلف سُروں کے نام جو ترتیب وار ہارمونیم میں رکھے گئے ہیں انہیں ہم گا کر صاف کرنا چاہیں تو حافظہ رسا سے مدد لی جائیگی۔

غیر متعلقہ باتوں کی لمبی چوڑی فہرست ازبر کرنی ہو تو یہ دونوں حافظے کام نہیں کرینگے بلکہ میکانکی حافظہ کام کرے گا۔

جہاں تک ہو سکے ہمیں حافظہ تمیزی سے کام لینا چاہئیے۔ حافظہ کی دوسری قسمیں تعلیمی قدر و قیمت کے اعتبار سے قابل اعتنا نہیں۔

پروفیسر لائڈ مارگن (Lloyd Morgan) کہتا ہے کہ یہ امر مختلف فیہ ہے کہ "قوت حافظہ میں کہاں تک ترقی کی صلاحیت ہے۔ ممکن ہے تھوڑی بہت صلاحیت ہو مگر یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ حافظہ کی ماسکیّت جس پر کسی چیز کے یاد رکھنے اور یاد آنے کا مدار ہے ایک عضویاتی عطیہ ہے جس کا تعلّق مغز سر کی خاصیت سے ہے جس کا بدلنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے کاسہ سر کی ساخت کو بدلنا یا قریب تر مثال سے یوں سمجھئے کہ پٹھوں کو چھوٹا بڑا کرنا۔ اچھے استعمال اور اچھی تربیت سے ہم پٹھوں کو قدرت کے مقررہ حدود کے اندر ترقی دے سکتے ہیں۔"

اسی طرح اچھی مشقوں کے ذریعہ سے ہم اپنے اور اپنے شاگردوں کے حافظہ کی ماسکیت کو مقررہ حدود کے اندر شاید ترقی دے سکیں لیکن حافظہ کی یہ صلاحیت پٹھوں کی صلاحیت کے مقابلہ میں زیادہ محدود ہے۔ بہرحال کچھ ہی ہو اس میں شک نہیں کہ یاد رکھنے کے عمل کو بہت کچھ ترقی دی جا سکتی ہے۔ اور یہ اکتسابی امر ہے جسے حافظہ کہتے ہیں۔ وہ عطیہ ایزدی ہے لیکن حافظہ کا باقاعدہ استعمال ایک اکتسابی امر ہے جو روزمرہ کی زندگی اور معلومات کی تنظیم میں بہت کارآمد ہے۔

ساتواں باب

تشریحِ نفس

پچھلے باب میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ اگر خیالات دوبارہ شعور پر بُلائے جانیکے خواہشمند ہیں تو اُنہیں دوسرے خیالات سے قرابت اور تعلق پیدا کر لینا چاہئیے - ان رفقاء کے ہر گروہ کو اِدّراکی مواد کہتے ہیں۔ ہربارٹ کا قول ہے کہ ہماری تمام ذہنی زندگی نیا نیا اِدّراکی مواد قائم کرنے میں صرف ہوتی ہے - قدیم مواد میں اضافہ ہوتا ہے اور اس مواد کے گروہ بنتے ہیں - گروہوں سے نظام تیار ہوتے ہیں اور اس نظام سے ایک کُل کی تشکیل عمل میں آتی ہے جسے اچھا خاصا جال سمجھنا چاہئیے -

اس کی مثال ایک ایسے ذخیرے کی سی ہے جس کے لئے غیر محدود سربراہی ہوتی ہے اور جو خرید و فروخت کی شاخوں مختلف شعبوں اور دوکانوں پر مشتمل ہے - ہر شعبہ میں کئی خرید و فروخت کی شاخیں ہیں - اور کئی شعبوں سے دوکانیں بنتی ہیں اور ان دوکانوں سے ایک زبردست ذخیرے کی داغ بیل پڑی - ممکن ہے کہ اس ذخیرے کے مالک نے چھوٹے پیمانے پر ایک شاخ سے اپنی تجارت کی ابتدا کی ہو اور ترکیبی طریقہ سے اپنی تجارت کو فروغ دیکر اس حالت کو پہنچا دیا ہو لیکن اس کی ساری

تجارتی زندگی نئی نئی خرید و فروخت کی صورتیں پیدا کرنے، مختلف شعبوں کا افتتاح کرنے اور قدیم شعبوں کو وسعت دینے اور نئے اور پرانے دونوں شعبوں کو ضم کر کے ایک عضوی کُل بنانے میں صرف ہوئی۔

مواد اِدراکی کی نشوونما اور تجارتی ترقی کا پہلو بہ پہلو مقابلہ سبق آموز ہے لیکن ان دونوں کے طریقہ کار میں نمایاں فرق ہے۔ ایک تجارت پیشہ شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ اُسے کس چیز کی ضرورت ہے اور وہ ہمیشہ مقررہ نظام العمل کے مطابق کام کرتا ہے مگر جو شخص اپنے نفس کی ترقی چاہتا ہے اُس کے مقاصد حد درجہ مبہم ہوتے ہیں۔ اُن کے حصول میں وہ افسوس ناک بے قاعدگی سے عمل پیرا ہوتا ہے۔ برٹ ہارٹ (Bret Harte) ایک ایسی تجویز کا ذکر کرتا ہے جس کی رو سے ایسے مقام سے نہریں نکالی جارہی ہیں جہاں پانی نہیں ہے اور یہ نہریں ایسے مقام کو پہنچائی جارہی ہے جہاں پانی کی ضرورت ہے۔ متوسّط شخص کی زندگی اس قسم کی مہمات سے بھری ہوتی ہے۔

اصلی مبحث کی طرف لوٹتے ہوئے ہم اُس کُل یا مشین کے متعلّق جس میں ادراکی مجموعے بنتے ہیں مزید معلومات حاصل کرینگے۔ ہربارٹ کے پیرو عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ علم کے جذب کرنے کے لئے بھی علم کی ضرورت ہے اور جس عمل کے ذریعہ سے سابقہ علم نئے علم کو جذب کر کے گھُل مِل کر ایک جزو

ہو جاتا ہے اُسے وہ "اِدّراک" کے نام سے موسوم کرتا ہے اس مسئلہ کا یہ پہلو عملی اشخاص کے لئے بہت اہم ہے لیکن بعض کو اس کی کھوج ہے کہ ہر بارٹ کے مسلک کے اعتبار سے پہلے پہل علم کس طرح شروع ہوتا ہے۔

ابتدائی حالت میں ذہن کے بہت زیادہ منفی خواص ہیں مگر جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں وہ صفات سے معرا بھی نہیں ہوتا۔ یعنی وہ ارتسامات پر ردِّ عمل کر سکتا ہے۔ مثلاً گھنٹی کے بجنے سے جو کچھ ہوتا ہے وہ اس قدر کہ ہوا میں اِرتعاشات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ کان میں پہنچ کر عصب سمعی میں تحریک پیدا کرتے ہیں اور پھر یہ عصبی ہیج دماغ کو منتقل ہوتا ہے اور ذہن اس کا جواب آواز کے حِس کی صورت میں ادا کرتا ہے۔ نفس کا یہ جواب گھنٹی کے اِرتعاشات سے جو ہوا میں پیدا ہوئے بالکل مختلف ہے کیونکہ یہ ایک مادّی چیز یعنی گھنٹی سے پیدا ہوئے۔ بخلاف اس کے ذہنی جواب جو آواز کی حِس کی صورت میں پیدا ہوا وہ ذہن ہی سے متعلق ہے۔ اس طریقہ پر یہ ممکن ہوا کہ محض آواز کے علم کی مدد سے ہمارے خیالات کی توضیح اور تعبیر ہو سکے۔ غرض کہ ہمیں معلوم ہوا کہ کسی چیز کا اِدّراک جس سے سابقہ علم کا تعلق ہے اور ابتدائی اِدّراک جس کے بغیر ہم کسی چیز کا علم حاصل نہیں کر سکیں گے دونوں میں خاصا فرق ہے۔ اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ علم کی ابتداء کیسی ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہمیں

یہ دیکھنا چاہئیے کہ کیونکر اِدراک کا عمل جاری رہتا ہے - ہربارٹ خیالات کی جن سے اِدراکی مواد بنتا ہے تین قسمیں کرتا ہے (۱) مشابہ (۲) متغائر (۳) متضاد - - بنفشے کی خوشبو کا خیال جو کل ذہن میں تھا وہ آج بھی بعینہ اُسی طرح ذہن میں ہے - یہ دونوں خیالات مشابہ ہیں - بنفشہ کی بُو کا خیال سیاہ مرچ کی بُو کے خیال سے مختلف ہے گو دونوں خیالات بُو ہی کے ہیں لیکن ان کی بُو جدا جدا ہے لہذا ان کے خیالات بھی متضاد ہونگے - - بنفشے کی خوشبو اور اس کا علم کہ اب دس بجے ہیں ان میں کوئی ایسی چیز مشترک نہیں ہے کہ ان کا مقابلہ کیا جاسکے اور اگر کیا بھی جائے تو حماقت ہوگی لہذا یہ خیالات متغائر کہلائیں گے -

خیالات کے باہمی تعلقات اور روابط پیدا کرنے کا محض ایک ہی طریقہ ہے - وہ یہ کہ ایک ہی وقت میں مختلف خیالات گنبد شعور میں موجود رہیں - لیکن ان میں ربط ضبط پیدا کرنے کے لیئے تھوڑی زحمت اُٹھانے کی ضرورت ہے - اگر کوئی شخص ادب کو مرکز قرار دیکر اُس کے گرد اِدراکی مواد بنانا شروع کرے اور پچھلے خیالات کو جن سے نیئے خیالات کا فطرتاً اتصّال ہوتا ہے شعور پر لائے بغیر اور بلا تامّل نیئے خیالات کو قبول کرتا جائے تو وہ معلوم کریگا کہ اُس نے باقاعدہ اور منظّم اِدراکی مجموعے نہیں قائم کیئے بلکہ غیر متعلقہ پریشان خیالات جمع کر لیئے جو خود

اُسے مبہوت کر ڈالیں گے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حاصل کی ہوئی معلومات کو بہت جلد بھول جائیگا - اسی قسم کی ایک دلچسپ مثال بیسنٹ اور رائس (Besant and Rice) نے اپنی کتاب "گولڈن بٹرفلائی" (Golden Butterfly) میں دی ہے - وہ بیان کرتے ہیں کہ گیلیڈ - پی بک (Gilead P. Beck) نے جو نِرا جاہل تھا برُوننگ (Browning) سِوِن بَرن (Swinburne) رسکن (Ruskin) اور کارلائل (Carlyle) کی مکمل تصانیف خرید ڈالیں اور یہ خیالِ خام پکایا کہ میں تین دن میں ان پر پورا عبور حاصل کرلوں گا - تحصیل علم کو تنفّس سے تشبیہ دی گئی ہے - جو سانس اندر جاتی ہے - بمنزلہ نئے معلومات کے ہے اور جو باہر آتی ہے وہ گویا پُرانے واقعات کو تازہ کرتی اور اُنہیں نئے خیالات کے ساتھ مربوط کرتی ہے - اس آخری عمل کو غور و فکر کہیں گے -

کئی خیالات جب یک وقت شعور میں آتے ہیں تو مشابہ، متغائر یا متضاد ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں یہ امر ذیل کی مثال سے صاف ہو جائیگا -

فرض کرو کہ ہمارے پاس ٹین کی ایک چادر ہے - اُسے ہم میز پر رکھکر ہتوڑی سے ٹھوک کر ایک دائرے کا نشان بناتے ہیں - پھر اُسی نشان پر اُسی طاقت سے دوبارہ ٹھوکتے ہیں جس سے نشان اور بھی گہرا ہو جاتا ہے

اسی طرح جب مشابہہ خیالات ایک ہی وقت میں شعور پر آتے ہیں تو آپس میں مل کر اُن کا ایک موافق یا ہم جنس تامّہ بن جاتا ہے - اس لئے اگر مشابہہ خیالات کو شعور سے باہر نکال دینے کی کوشش کی جائے تو وہ اُسکی زبردست مدافعت کرسکتے ہیں - اسی طرح آج جو خیال مجھے بنفشہ کا ہے وہ بنفشہ کے اُس خیال سے جو کل تھا مل جائے گا اور میں کل ہی کے خیال کو اس نئے تعلّق کے لئے طلب کروں گا - اس کا نتیجہ کوئی نیا خیال نہیں بلکہ قدیم خیالات کی مزید تقویت ہے - خیالات کے اس فعل کو اصطلاح میں اختلاط کہیں گے مشابہہ خیالات اختلاط پاتے اور نقش کو گہرا کرتے ہیں -

اُسی ٹین کی چادر کو دوسری جگہ پیٹا جائے اور اُسے الٹ کر اتنی طاقت سے سابقہ محدب نشان کو جو پہلے کے ضربات سے بن گیا ہے پھر پیٹا جائے تو دونوں ضربات ایک دوسرے سے مختلف یا متضاد ہونگے - دوسری ضرب نے پہلی ضرب کے نقش کو ٹین سے بالکل محو کر دیا - پس متضاد خیالات میں اس قسم کا تخالف ہوا - اُس عمل کو جس کا اثر ایک دوسرے پر ہوا اصطلاح میں روک یا مزاحمت کہینگے - متضاد خیالات ایک دوسرے پر اثر ڈالینگے - بنفشہ کی خوشبو کا خیال سیاہ مرچ کی خوشبو کے خیال سے جدا ہے حالانکہ دونوں خوشبوئیں ہیں مگر ایک دوسرے سے الگ - اگر ان دونوں کا بیک وقت خیال کیا جائے تو نتیجہ دو حال سے خالی نہ ہوگا - یا تو ایک کا

بھی خیال نہ ہو گا یا دونوں کا خیال یکے بعد دیگرے سُرعت کے ساتھ ہو گا۔

اب اُسی ٹین کو دوسرے مقام پر اس طرح پیٹا جائے کہ ایک ہی طرف دو مدوّر نقوش جو ایک دوسرے سے متّصل مگر متراکب نہوں بن جائیں۔ یہ ضربیں مختلف ہونگی اور یہاں ان سے دو مدوّر شکلوں کا پیچیدہ مرکب بن گیا ہے۔ اسی طریقہ پر ہم میلے میں مختلف تماشے، مٹھائی کی دوکانیں۔ جھولے، ہنڈولے اور خوانچہ فروشوں کی صدائیں اور مجمع کی چیخ پکار سنتے اور دیکھتے ہیں۔ یہ تمام مختلف خیالات ایک ہی وقت میں ہمارے شعور میں موجود ہوتے ہیں اور سب مل کر میلے کا مرکّب تصور بن جاتے ہیں۔ دوسری مثال لیجئے۔ ایک شخص بنفشہ کی کیاری سے صبح دس بجے گزرتا ہے۔ اُس کا خیال مرکب ہو گا جس میں بنفشہ کی خوشبو اور روقت کا خیال الگ الگ شریک ہیں۔ اس عمل میں نہ امتزاجی صورت ہے نہ خیالات کے مدافعت یا مزاحمت کی۔ بلکہ یہ خیالات کی ترکیبی صورت ہوئی جو پیچیدہ ہے۔

مختصر یہ کہ ہمیں یاد رکھنا چاہئیے کہ مشابہ خیالات ایک دوسرے سے اختلاط پاتے ہیں۔ متضاد خیالات ایک دوسرے کو دفع کرتے اور روکتے ہیں۔ اور متغائر خیالات سے ایک مجموعہ یا ایک اُلجھاؤ سا بن جاتا ہے جو کم و بیش ایک پیچیدہ کُل کی شکل اختیار کر لیتا ہے لیکن ایک دوسرے پر عمل کرنے کے لئے ان کا شعور میں ایک ساتھ موجود ہونا ضروری ہے۔

اب ہم یہ سمجھنے کے قابل ہو گئے کہ اِدّراکی مواد نفس میں کیسے بنتا ہے۔اب تک ہم نے ایک ہی خیال کو بطور جزو واحد اور بغیر اس کی تجزی کئے ہوئے لے کر یہ ظاہر کیا ہے کہ ذہنی مشین اس پر کیسے عمل کرتی ہے۔ لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دو مرکّب خیالات موجود ہوں تو کیا ہوگا؟ ان دونوں میں جو کچھ مشابہہ ہے آپس میں اختلاط پائے گا۔ جو کچھ متغائر ہے اُس کا نیا مرکّب تیار ہوگا اور متضاد عناصر آپس میں برسرِ پیکار رہینگے اور اس نوبت پر دو مُرکّب اور پیچیدہ خیالات کا اختلاط رُک جائیگا۔ ہر بارٹ کے پیرو خیالات کے اختلاط کی پیچیدگی اور آپس کی مدافعت اور مزاحمت کو نفسی سرگرمیوں کا سرچشمہ بتاتے ہیں۔

اس کو نقشہ کے ذریعہ اس طرح ظاہر کیا جاسکتا ہے:—

نقشہ (۱) مخلوط خیال کو ظاہر کرتا ہے جو سادہ خیالات ا۔ب۔ج پر مشتمل ہے۔

نقشہ ۱

الف	ب	ج

نقشہ (۲) مخلوط خیال کو ظاہر کرتا ہے جو تین سادہ خیالات یعنی د، ر اور س پر مشتمل ہے۔

نقشہ ۲

د	ر	س

نقشہ ۳

الف د	ب ر	ج	س

فرض کیجئے کہ د۔ الف کے مشابہہ ہے ر اور ب متضاد خیالات ہیں اور س ج سے متغائر ہے۔

اگر نقشہ (۱) اور (۲) کے مخلوط خیالات ایک ہی وقت میں شعور میں موجود رہیں تو ایک نیا مرکب جو نقشہ (۳) سے ظاہر ہوتا ہے۔ بن جائے گا۔ یہاں ا اور د امتزاج پائینگے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے علٰحدہ علٰحدہ نقوش سے کہیں گہرا نقش ذہن پر ہوگا۔ ب اور س آپس میں مزاحم ہونگے اور س و ج کے ملنے سے ایک ایسا مخلوط خیال بنے گا جو ہر ایک کی اصلی حالت سے زیادہ پیچیدہ ہوگا۔

ہم روزمرّہ کی زندگی سے مثال لے کر غور کرینگے کہ نفس کی کل کس طرح کام کرتی ہے۔ فرض کرو کہ میں نے ایک کتّے کو پہلی مرتبہ دیکھا اور سہولت کی خاطر یہ فرض کرو کہ صرف تین ہی خیالات یعنی اُس کا بھونکنا، اُس کا بھورا رنگ اور اُس کی وحشی طبیعت نے مجھے متوجہ کیا۔ اب جب کبھی میں کتّے کا خیال کرونگا تو مجھے اُس کے بھونکنے، اُس کے بھورے رنگ اور وحشی طبیعت کا خیال آئیگا۔ میرے لئے کتّے کا یہ مخلوط خیال ہوگا۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ کتّا کیا چیز ہے تو شاید میں یہی کہوں کہ وہ ایک جانور ہے جو بھونک سکتا ہے، جس کا رنگ بھورا اور جس کی طبیعت وحشی ہوتی ہے۔ یہ تعریف لغوی نہ ہوگی بلکہ میری اپنی ہوگی اور اُس کی صحت کے متعلق مجھے شمّہ برابر بھی شبہ نہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ کتّوں کے متعلق انسان کا جس قدر بھی تجربہ کم ہوگا اُسی قدر

تعریفات میں حکیمانہ رنگ اور خودرائی ہو گی - اگر یہ معلوم کرنیکی ضرورت ہو کہ وہ کون شخص ہے جس کو اپنی رائے کے صائب اور صداقت پر مبنی ہونے کا یقین ہے تو اُس کے لیٔے ماہر نفسیات ہونیکی ضرورت نہیں بلکہ بستی کے سب سے زیادہ جاہل شخص کی طرف اشارہ کرنا کافی ہو گا - ایک شخص مجھ سے بہت ہی قریب رہتا ہے - میں جانتا ہوں کہ اُس کے خیالات اہم سے اہم مباحث پر جس کا جواب صاحب فکر بھی تامل سے دینگے نہایت ہی صاف اور واضح ہیں اور اُس کو اس امر کا یقین ہے کہ زمین چپٹی ہے -

بہرحال میں اسی تمثیل کو پھر لیتا ہوں - فرض کرو کہ میں نے دوسرا دیکھا - اس مرتبہ اس کا بھونکنا - اُس کا سیاہ رنگ اور اُس کے گلے میں پیتل کے پٹے کا ہونا خیال میں رکھتا ہوں پہلے کُتّے اور اس کتّے کے بھونکنے کے خیالات مُشابہہ ہیں اس لیٔے دونوں خیالات کا اختلاط ہوتا ہے اور ان کا نقش اور بھی گہرا ہو جائیگا - اب میں جب کبھی کُتّے کا خیال کروں گا اُس کے بھونکنے کا خیال بھی ساتھ ہی ہو گا - بھُورے رنگ کا خیال سیاہ رنگ کے خیال سے جدا ہے گو دونوں رنگ ہیں مگر متضاد - لہذا یہ دونوں ایک دوسرے کے مزاحم ہوں گے - کُتّے کی وحشی طبیعت اور اُس کے پٹے کے خیال میں کوئی مشترک چیز بجز اس کے نہیں ہے کہ دونوں خیالات کُتّے

کی صفت سے متعلق ہیں اور ایک ساتھ شعور میں پہلے سے موجود تھے اس لئے یہ خیالات متغائر ہوئے - میرے سابقہ خیالات میں اور ایک چیز کا اضافہ ہوا یعنی کُتّے سے متعلق میرا خیال اس پتے کے اضافہ سے اور بھی مخلوط اور پیچیدہ ہوگیا -

کُتوّں سے متعلق میرا تجربہ جیسے جیسے وسیع ہوتا جائیگا ویسے ویسے نئے عناصر میرے خیالات میں داخل ہوتے جائینگے - ان میں اور زیادہ اختلاط ہوگا یا اور زیادہ مدافعت یا مزاحمت بڑھتی جائیگی - اور میرے اِدّراک کا وہ مواد جو "کُتّے" کے لفظ کو گھیرے ہوئے ہے وسیع تر اور زیادہ پیچیدہ ہوتا جائیگا - جہاں تک کُتوّں کا تعلّق ہے ان خیالات کے اختلاط - ان کی مزاحمت اور پیچیدگیوں کا مرکّب میری ذہنی سرگرمیوں کا سرچشمہ ہوگا - کُتوّں کے متعلّق جو کچھ ہم کہہ سکتے ہیں وہی یکساں صداقت کے ساتھ ہم تمام خیال کی دوسری باتوں کی نسبت جن پر ہماری توجہ ہو کہہ سکتے ہیں - ذہنی فعلیّت ایک قسم کی تشکیل ہے یا ترکیب و تنظیم ہے اور بالآخر ادّراکی مواد کی تطبیق ہے -

جہاں ہربارٹ نے ہماری ذہنی کَل کی توضیح کی ہے تاکہ ہم ایک حد تک اُسے باقاعدگی کے ساتھ چلاسکیں اور کم و بیش صحت کے ساتھ اُس کے عمل کا اندازہ کرسکیں وہاں ہم ڈکنس (Dickens) کے صوفیانہ

خیالات کو بھی پیش کر سکتے ہیں۔ وہ "ہارڈ ٹائمس" (Hard Times) میں کوک ٹاؤن (Coketown) کے کارخانہ والوں کی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "اگر خدا کی کارسازی اور انسانی کرشمہ سازیوں کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خدا کی کارسازیوں میں چند معمولی مزدور ہی کیوں نہ ہوں مگر وہ مقابلہ میں نہایت باعزت و قابل احترام نظر آئینگے۔ اس کارخانہ میں کئی سو آدمی کام کر رہے ہیں اور کئی سو گھوڑوں کی دُخانی قوّت اپنے کرشمے دکھا رہی ہے۔ ہم یہ صحت کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں کہ ایک پونڈ وزن پر انجن کا کیا اثر پڑیگا لیکن قومی قرضہ کا حساب کرنے والے قابل محاسب سب کے سب متفقہ طور پر بھی یہ نہیں بتا سکتے کہ اس کارخانے کے چُپ چاپ اور اطمینان سے باقاعدہ کام کرنے والوں میں سے کسی ایک متنفّس میں کس وقت کس قدر صلاحیت نیکی یا بدی۔ محبت یا منافرت۔ حب الوطنی یا بغاوت کی موجود ہے یا کہاں تک اس میں نیکی بدی سے یا بدی نیکی سے مبدل ہو سکتی ہے۔ غرض کہ ہمیشہ حقیر سے حقیر متنفّس میں بھی کوئی نہ کوئی ناقابل دریافت عقدہ موجود ملے گا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہم اپنی ساری ریاضی دانی مادّی اشیاء کے لئے مختص کرتے اور ان ہولناک نامعلوم اشیاء کا انتظام کسی اور ذریعہ سے کرتے ہیں۔ یعنی کس میں کہاں تک نیکی بدی اور منافرت کی

صلاحیت ہے یا کہاں تک نیکی بدی سے اور بدی نیکی سے مبدّل ہوسکتی ہے''

اس کا جواب ہربارٹ کے ہمنوا یُوں دیتے ہیں کہ ہم اُن ہولناک نامعلوم چیزوں کا انتظام کیسے کرسکتے ہیں جب کہ وہ نامعلوم رہیں اور جب کہ نفس انسان ہی ہمیشہ کے لئے ناقابل حل عقدہ ہے۔ایک وہ وقت تھا کہ سورج گرہن ہی رازِ سربستہ اور ناقابل حل سمجھا جاتا تھا۔اس کی توضیح میں ریاضی نے مدد دی ہے۔غالباً ریاضی ہی سے جس کو میں علوم متحققہ کا مترادف سمجھتا ہوں وارداتِ نفسی کی عقدہ کشائی میں سہارا ملے گا۔

آٹھواں باب

چند ذہنی واقعات

یادِ ش بخیر اقلیدس میں "شکل حماری" کا جو باب ہے اس سے یہ باب کچھ کم نہیں۔ اس کی تفصیل اصطلاحات سے متعلق ہے اس لئے اس کے پڑھنے سے کوئی لطف حاصل نہ ہوگا۔ لیکن جو شخص اس تفصیل پر حاوی ہو کر اپنی زندگی کے تجربوں میں مناسب جگہ دے سکے اُس کے لیے یہ تفصیل نہایت مفید ثابت ہوگی۔ تاہم جو حضرات اس باب کو ترک کرنا چاہیں وہ ترک کر سکتے ہیں۔

جس کمرے میں میں بیٹھا ہوا ہوں جب میں اِدھر اُدھر نظر ڈالتا ہوں تو میں اُس میں ایک میز، چند کرسیاں، ایک کوچ، ایک پیانو اور دیگر لوازمات خانہ داری پاتا ہوں۔ یہ سب سامان مل کر کمرے کا فرنیچر بنتا ہے۔ اسی طرح خیالات کو ہم ذہن کا فرنیچر سمجھتے ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں نفس آراستہ ہے۔ تو اس سے ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ خیالات سے بخوبی آراستہ ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے جب خیالات پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اُن کو ہربارٹ احضاری مشمولات سے موسوم کرتا ہے۔ اس حیثیت سے خیالات تغیر پذیر ہیں لیکن ان میں تبدیلی آہستہ

ہوتی ہے اور وہ امتزاج۔مزاحمت اور پیچیدگی پر منتج ہوتی ہے۔ مثلاً کُتّے کے خیال کے متعلق جیسے جیسے ہمارا تجربہ بڑھتا جاتا ہے ویسے ویسے ہمارے خیال میں بتدریج تبدیلی ہوتی ہے۔ جب ہم کسی سرمایہ دار ز دماغ کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ وہ احضاری مشمولات سے معمور ہے تو ہمارا اشارہ خیالات حاضرہ کی تعداد اور اُن کی قدر و قیمت کی طرف ہوتا ہے۔ ہمارا مطلب ان خیالات کی فعلیّت سے نہیں ہوتا بلکہ ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ وہ مجہول ہیں اور اُن میں تدریجی تبدیلی ہوتی ہے۔

خیال کو ہم ایک دوسری حیثیت سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ یعنی وہ ایک عاملہ قوّت ہے جو گنبد شعور کے انتہائی مدارج پر پہنچنے کے لیے ساعی ہے۔ایسی حالت میں خیال کی فعلیّت کو ہم استحضاری فعلیّت کہیں گے۔ کسی خیال کی کیفیت محض احضاری ہوتی ہے تو اُس میں تبدیلی بہت آہستہ ہوتی ہے لیکن اُن کی استحضاری فعلیّت فوری اور تُند تبدیلی کی تابع ہے۔ محض احضاری شے کی حیثیت سے سوئی کے چُبھنے کا خیال اگر بدلتا بھی ہے تو میرے تجربہ کی وسعت کے ساتھ بتدریج تبدیل ہوتا ہے۔ اور عموماً اُس کی استحضاری فعلیّت بھی قوی نہیں ہوتی۔ جو خاتون کہ میرے بٹن ٹانکتی ہے اُس کی احتیاط کی بدولت ایک عرصہ تک سوئی چُبھنے کا خیال میرے دماغ میں نہیں گذرتا لیکن اگر اتفاق سے میں کبھی

سوئی کی نوک پر بیٹھ جاؤں تو اس خیال کی فعلیّت جو معمولی طور پر کوئی اہمیّت نہیں رکھتی دفعتہً سو گنا بڑھ جائیگی - یہ کمزور ہستی دیو بن جائیگی اور ایک چھلانگ مار کر شعور کے انتہائی مدارج تک پہنچ جائیگی اور وہاں سے نہایت مستقل اور اہم خیالات کو ہٹا دیگی - جارج ایلیٹ (George Eliot) کی ناول "میڈل مارچ" ("Middlemarch") میں لِڈگیٹ (Lydgate) کو اس کے پیشہ میں جو ناکامی ہوئی اُس پر تنقید کرتے ہوئے مصنّفہ متذکرہ واقعہ کی وجہ یوں بیان کرتی ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کے دماغ میں پوری دنیا کی اسکیم ہے چھوٹی چھوٹی رقوم کا محتاج ہو اور اُن کے حاصل کرنے کی اُس کے پاس کوئی تدبیر نہ ہو تو اُس کی عظیم الشّان تجاویز کبھی عملی صورت اختیار نہیں کر سکیں گی"

پس کسی خاص اجتماع خیالات کی اہمیت پر غور کرتے وقت دو امور کا لحاظ ضروری ہے - اُن کی احضاری مشمولات اور استحضاری فعلیّت - ممکن ہے کہ کسی شخص کا دماغ احضاری مشمولات سے مالا مال ہو لیکن کسی نازیبا خیال کی فعلیّت اِس قدر بڑھی ہوئی ہو اور شعور پر اُسکا اس درجہ غلبہ ہو کہ دیگر قیمتی و اعلیٰ افکار اُس کے مقابلہ میں کمزور پڑجائیں - اس کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی شخص کے دماغ میں خیالات کی تعداد

بالکل قلیل ہو لیکن اُن میں سے بہترین خیالات کی تعلیم کرنے سے وہ دنیا میں بڑے بڑے کام کر جائے۔ بعض دماغ اور وہ بھی تربیت یافتہ دماغ "پلِ گرمِس پروگرس" (" Pilgrim's Progress ") کے اُس کیر کٹر کے مانند ہوتے ہیں جو ہمیشہ کثافت میں آلودہ رہتا ہے۔ یعنی وہ گندہ خیالات میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ بعض دوسرے دماغ ہوتے ہیں جو کمتر استعداد رکھنے کے باوجود بلند پرواز ہوتے ہیں اس کا انحصار زیادہ تر خیالات کی استحضاری فعلیّت پر ہے۔

اس ضمن میں یوکن (Eucken) کے دو خیالات قابلِ ذکر ہیں۔ یہ خیالات اکثر ایسے اشخاص کی زندگی میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں جنھوں نے خیالات کی فعلیّت کی نشوونما کی ہے اور ان کو اپنا دائمی رفیق بنانے کا تہیّہ کر لیا ہے۔ یہ خیالات حرّیت سے متعلّق ہیں اور یوکن کے فلسفۂ زندگی کے بیان میں گبسن (Gibson) نے ان کو عبارتِ ذیل میں ادا کیا ہے:—

"پہلا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایسی روحانی فضا اور سماجی تہذیب جس میں روحانی خیالات معمولی اور غالب ہوں ہنوز تشکیل پا رہی ہے۔ یہ ہمارا فریضہ ہے کہ اس کے حصول کی کوشش کریں لیکن قطع نظر ہماری مساعی جمیلہ کے اس کا امکان بنی نوع کے لئے محض ایک خواب

وسراب ہوگا - دنیا نامکمل اور ناتمام ہے اور ہماری انفرادی زندگی کو مخالف ہواؤں سے سخت صدمہ پہنچ رہا ہے - لیکن دنیا کے کاروبار کی ترقّی اور تہذیب انسان کے اجزائے مخالف میں تدریجی ربط و مصالحت پیدا کرنا ایک ایسا اہم کام ہے کہ بغیر اس کی تکمیل کے ہماری آزادی اپنے انتہائی مدارج تک نہیں پہنچ سکتی۔"

"دوسری حقیقت زیادہ قدیم اور سلیس ہے اور مذہبی آزادی کا مرکز تصوّر ہے - اس نقطۂ نظر کے لحاظ سے ہماری اخلاقی آزادی ہماری مذہبی زندگی میں مضمر ہے اور ہماری آزادی خودمختار قانون سازوں کی حیثیت سے اعلیٰ حقیقت اور مدارج کو اُسی وقت طے کر سکتی ہے جب ہماری دائمی رضا و تسلیم سے یہ ظاہر ہو کہ انسان اُس قادرِ مطلق کے سامنے محض ایک بندۂ عاجز اور بے چارہ ہے۔"

کسی خیال کے اہم ترین صفات میں سے ایک صفت یہ ہے کہ اس میں کس قدر استحضاری فعلیّت ہے - جس حد تک مختلف خیالات کی فعلیّت ظہور میں آئے اُس کے لحاظ سے ہم اُس کی درجہ بندی کر سکتے ہیں - اس طریقہ سے یہ معلوم ہوگا کہ ہر دماغ میں خیالات کی ترتیب اُن کی استعداد کے مطابق ہوتی ہے - اِس میں شک نہیں کہ بیرونی تہیّجات سے یہ ترتیب درہم برہم ہو جاتی ہے لیکن ایسے بیرونی اثر سے آزاد

ہونے کے ساتھ ہی سابقہ ترتیب کے عود کر آنے کا امکان غالب ہے۔
یہ ترتیب بلحاظ استعداد ہر نفس کے لئے جداگانہ ہے۔ کسی ماہر علم ہیئت کے دماغ میں ستاروں کے متعلق خیالات قوی ہوں گے۔ بخلاف اس کے ماہر نباتات کے دماغ میں علم ہیئت کے خیالات گنبد شعور میں بہت نیچے ہوں گے۔ اسی طرح سپاہی ملک کے وقار اور بخیل روپیہ پیسہ کو عزیز رکھتا ہے۔ اول الذکر مثال میں عزت اور حرمت اور ثانی الذکر مثال میں روپیہ پیسے کے خیالات عموماً شعور کی چوٹی پر موجود رہیں گے۔

ایک نہایت دلچسپ اور سبق آموز تجربہ یہ ہوگا کہ ہم کاغذ کا ایک تختہ لے کر اس پر ان خیالات کی ایک فہرست لکھیں جو روزمرہ زندگی میں ہمارے دماغ میں گزرتے ہیں اور پھر ہمارے نزدیک ان کی جو قدر و منزلت ہے اس کے لحاظ سے ان کو ترتیب دیں۔ اگر ہم اپنے کسی صاف گو دوست بلکہ اس سے بہتر کسی صاف گو دشمن سے خواہش کریں کہ وہ آزادی کے ساتھ ہمارے خیالات کی درجہ بندی کرے تو یہ تجربہ اور بھی زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہوگا۔ ان دونوں فہرستوں یعنی خود ہماری اور کسی دوسرے شخص کی تیار کردہ فہرست کا مقابلہ کرنے سے یقینی ہم کو یکے بعد دیگرے صدمے پہنچیں گے۔ اگر ایسا تجربہ گھر پر بطور کھیل کے کیا جائے تو وہ لطف اور تفنّن سے خالی نہیں ہوگا گو ممکن ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ گہری سے گہری دوستی میں پھوٹ پڑ جائے۔

استحضاری فعلیّت کے اعتبار سے خیالات کی ترتیب کو ہم ذاتی ترتیب کہہ سکتے ہیں لیکن اگر ذاتی فعلیّت پر سب کچھ منحصر ہوتا تو قوی ترین خیال قبہ کی چوٹی پر دائمی طور پر جگہ پاتا اور کمزور خیالات باب الشعور پر ہی رہتے - خوش قسمتی سے ذاتی فعلیّت پر سب کچھ منحصر نہیں ہے بلکہ جیسا کہ ہم معلوم کر چکے ہیں ان پر بیرونی مُہیج کا بھی اثر ہوتا ہے اس لیئے ہمارے قوی ترین خیالات مطلق العنان حکمرانی نہیں کرتے - چھوٹی چھوٹی تکالیف دُنیا کے بڑے بڑے منصوبوں کو درہم برہم کر دیتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہماری ذہنی زندگی مختلف النوع صحیح اور تندرست رہتی ہے - جس شخص کو صرف ایک خیال دامنگیر ہوتا ہے اُس کی مثال ایک ٹانگ والے آدمی کی ہے جسے پیچیدہ زندگی میں کامیابی کے لیئے جن مختلف تجربوں کی ضرورت ہے حاصل نہیں ہیں -

ہماری رائے ہے کہ ہر شخص اپنے خیالات کی ذاتی ترتیب کا خود ذمہ دار ہے - سیرت کا بیشتر مدار اسی ترتیب پر ہے - پس اگر ہم اس کی جزئی تفصیل یا عام رجحان میں تبدیلی کرنا چاہیں تو ہم کو چاہیئے کہ اپنے خیالات کی اہمیّت کی ترتیب کو بدل دیں -

لیکن خیال کی نسبتی اہمیّت کو بدلنے کے لیئے یہ ضروری ہے کہ اس کی استحضاری فعلیّت میں تبدیلی کی جائے اور اُس کی استحضاری فعلیّت

کو ہم اُسی وقت بدل سکتے ہیں جبکہ ہم اُس کو بار بار شعور کے انتہائی مدارج تک لائیں تاکہ اسے کم و بیش اور خیالات سے ربط ضبط اور رفاقت پیدا کرنے کا موقع مل سکے۔ مثال کے طور پر فرض کیا جائے کہ ایک نوجوان اپنی حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کی استحضاری فعلیت کو ترقی دینا چاہتا ہے تو ایسی حالت میں وہ کیا طریقہ اختیار کریگا؟ وہ اپنے حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کے خیال کو بار بار شعور میں لائیگا اور باقاعدہ غور و خوض سے وہ اسے اُن خیالات کے مجموعے سے متحد کرے گا جو اُس خاص شغل سے جس میں حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کو جگہ ملی ہے وابستہ ہیں۔ نیز وہ اپنے حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کے خیالات کو اُن خیالات کے ہجوم سے جو ذاتی منفعت یا منفعت بخش مساعی سے متعلق ہوں منسلک کرتا جائیگا لیکن چونکہ استحضاری فعلیت بیرونی تہیجات کے اثر سے پُرسرعت اور شدید تغیرات کی تابع ہے اس سے حوصلہ مند شخص کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ حتیّ المقدور اُن مواقع سے بچے جن میں حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کے منافی خیالات غالب ہوں اور حتی الوسع ایسے مواقع کی تلاش کرے جن میں حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کو مدد دینے والے خیالات بکثرت اور شدت کے ساتھ موجود ہوں۔ بالفاظ دیگر وہ فراغت اور خیالی پلاؤ کی زندگی سے اجتناب کرے اور محنت و مشقت کی تحریکات کا متلاشی رہے۔

جب کوئی خیال گُنبدِ شعور میں داخلہ کا طالب ہوتا ہے تو ایک کشمکش واقع ہوتی ہے۔ اس کے ساتھی اور رفیق ایک جگہ جمع ہو کر اُسے اُوپر کھینچ لینے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے دشمن اس کے برعکس نیچے ہی دبا دینا اور پسپا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کشمکش کے بعد ایک عارضی توازن قائم ہو جاتا ہے اور نیا خیال فی الوقت دہلیز پر یا اُس سے اوپر یا نیچے رہتا ہے۔ توازن کی حالت میں کسی وقت کسی خیال کی جگہ متذکرۂ بالا تینوں مقامات میں سے کہیں ہو تو آستانہ شعور اس خیال کی نسبت سے سکونی یا جمودی حالت میں ہوگا۔ اگر توازن کی حالت اس کی متقاضی ہے کہ کسی وقت کوئی خیال ایک جگہ سے ہٹ کر کسی اور جگہ منتقل ہو جائے تو آستانۂ شعور اُس خیال کی نسبت سے حرکی کہلائے گا۔ اگر کوئی خیال از خود دہلیز شعور سے متضاد اور مخالف اثرات کو دور کرتے ہوئے اوپر کی جانب رجوع ہو تو ہم اُسے فوری تذکر کے نام سے تعبیر کرینگے۔ اس قسم کے خیال کو لوچ دار اسپرنگ سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ یعنی اگر اُسے نیچے دبایا جائے تو جب تک کہ دباؤ کم نہ ہو اُسی حالت میں رہیگا لیکن جوں ہی دباؤ کم کیا جائے یا بالکل ہی باقی نہ رہے تو یہ فوراً اپنی اصلی حالت پر عود کر آئے گا۔ مثلاً ایک بقّال اپنی دوکان سے نماز ادا کرنے کے لیۓ جاتا ہے۔ جب تک کہ وہ گرجے میں رہتا ہے اُس کے خیالات جو مذہب سے متعلق ہیں

اُس کی دو کان کے خیالات کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ مگر جوں ہی وہ گرجے کو چھوڑتا ہے وہ دباؤ باقی نہیں رہتا۔ مذہبی خیالات غائب ہو جاتے ہیں اور کاروبار سے متعلق خیالات پھر غالب آجاتے ہیں۔

جب ایک خیال دوسرے خیال کو مرکزِ شعور پر لے آئے جس کے ساتھ سابق میں اس کا امتزاج یا اجماع ہو چکا ہو تو ہم اس خیال کو بعیدی تذکّر کہتے ہیں۔ اختلاط کے ذریعہ جو خیالات کا تلازم قائم ہوتا ہے وہ دائمی ہوتا ہے۔ اگر خیالات کی درجہ بندی اجماع کے ذریعہ سے ہو تو رشتۂ خیال آسانی سے آشفتہ ہو سکتا ہے۔

بعض وقت (گو ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے) ایک ہی خیال گُنبدِ شعور پر اس قدر حاوی ہوتا ہے کہ کسی دوسرے خیال کے لیے جگہ نہیں ہوتی۔ مثلاً جب ہم کسی شخص کو انتہا درجہ غصہ سے مشتعل یا انتہا درجہ خوف سے مرعوب پاتے ہیں تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ گُنبدِ شعور اس جذبہ اور اُس کے دیگر لوازمات سے اس قدر پُر ہے کہ گویائی فکر یا عمل کے خیالات کے لیے کوئی موقع ہی نہیں ہے۔ شدید توجّہِ حسّی بھی بعض وقت مغلوب کن اثرات رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ایک نو آموز مقرّر اپنے سلسلہ تقریر کو جاری رکھنے کے لیے کسی خاص شئے پر اپنی آنکھیں جمائے رکھنا مناسب خیال کرتا ہے اور سامعین کے اثر پذیر نظارہ کی طرف

آنکھ تک نہیں اُٹھاتا۔ بعض مشاق مقررین بھی عینک یا اپنے کوٹ کے بٹن پر انگلی جمائے بغیر سلسلۂ تقریر جاری نہیں رکھ سکتے۔

دیگر علمائے نفسیات کی طرح ہربارٹ کی بھی رائے ہے کہ اگر کوئی خیال شعور کے باہر ہو تو اُس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اُس کا وجود ہی نہیں ہے البتہ اگر کوئی خیال شعور کی سکونی یا جمودی سطح کے نیچے ہو تو اُس کا اثر ہمارے موجودہ شعور پر کسی طرح نہیں پڑتا گو وہ اپنی جگہ پر موجود اور استحضار کے لئے تیار ہی کیوں نہ ہو۔ بخلاف اس کے جو خیال شعور کی حرکی سطح کے نیچے ہے وہ اُن خیالات کو متاثر کرسکتا ہے جو گنبدِ شعور میں موجود ہیں۔ اس کا انطباق اس عام تجربہ سے ہوسکتا ہے کہ ہم صبح سویرے ایک خوشگوار ماحول میں بیدار ہوتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں ایک بے چین کرنے والا احساس ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی اندرونی تکلیف کی خلش ہے۔ اس احساس کے معاً بعد ہی ہم کو وہ فکر یاد آجاتی ہے جو شب کو ہمیں سونے سے قبل دامنگیر رہی ہے۔ شدنی واقعات کی طرح آنے والے خیالات بھی قبل ازقبل اثرانداز ہوتے ہیں گو اس سے اشارہ اُن بے بنیاد علامات کی طرف نہیں ہے جو عموماً کمزوری اعصاب سے رونما ہوں۔ یہ لازم نہیں ہے کہ کوئی بدکردار اطمینان اور خوشی سے محروم ہو جب اُس کی بداعمالیوں کے نتائج کا خیال حالت سکون میں نہیں بلکہ حالت

حرکی میں آستانہ شعور کے نیچے ہوتا ہے تو اُس کو ایک موہوم سی بے چینی ہوتی ہے اور اگر ایسے اشخاص اپنے پریشان خیالات کو سکونی یا جمودی سطح کے نیچے بھیجنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اُن کی مسرّت چہکنے والے بلبل سے کم نہیں ہوتی - ایک شخص کسی مکان میں نقب زنی کرتا ہے - تاوقتیکہ اُس کو اخفائے جرم کا اطمینان ہے اُس کو کوئی فکر نہیں ہوتی کیونکہ اُس کی بداعمالی کے نتیجہ کا خیال حالت سکون میں آستانہ کے نیچے ہوتا ہے لیکن اگر کوئی نیک ضمیر شخص کسی ریلوے کمپنی کو سات آنے کا بھی دھوکہ دے تو اُس کی یاد ہمیشہ خوشی کے لمحات کو بھی مکدّر کر دیتی ہے - یعنی دھوکہ دہی کا خیال حالت حرکی نہ کہ حالت سکون میں آستانہ شعور کے نیچے رہتا ہے - ممکن ہے کہ وہ بالآخر اس خیال کو حالت سکون میں آستانہ کے نیچے یہ خیال کر کے بھیجنے میں کامیاب ہو جائے کہ اگر کسی کو نقصان ہوا ہے تو وہ ریلوے کمپنی کا ہے جو خود عام طور پر مسافرین کی نظر میں دغا باز ہے اور اُس کو دھوکہ دینا ہر شخص کے لئے قابل معافی ہے -

بعض اوقات کسی شخص کے خیالات جو برسوں تحت الشعور حالت میں پوشیدہ رہتے ہیں یکایک غیر معمولی صورتوں میں گنبدِ شعور میں اُچھل پڑتے ہیں اور چونکہ اُس کو اُن کے امکانات کا شان و گمان بھی نہیں تھا اس لئے ان سے دوچار ہو کر وہ مبہوت ہو جاتا ہے اگر ایسے

خیالات کی تحریک پر عمل کرنے سے پہلے غور و فکر کرنے اور اپنے خیالات میں مناسب توازن پیدا کرنے کا وہ عادی ہو اور اُس نے اس کی تربیت پائی ہو تو ایسے نازک وقت پر اُسے بڑی مدد ملتی ہے۔

نواں باب

ادراک کی صورتیں

اب اسی موضوع کو ہم دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھیں گے اگر کوئی خیال پہلی مرتبہ نفس کے سامنے پیش ہو اور شعور میں اُس کا داخلہ ہو جائے تو وہاں اس پر ردِ عمل ہوتا ہے - ہر بارٹ یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ اس نئے خیال پر نفس کا عمل پہلے سے جو خیالات موجود ہیں اُن سے متاثر ہوتا بلکہ اُن کے ذریعہ متعیّن ہوتا ہے نفس کے اس عمل کو ادّراک کے نام سے موسوم کرتے ہیں -

یہ اس قدر اہم ہے کہ اس کی یہاں کئی تعریفات دینا مناسب ہوگا اسٹینہال (Steinhall) کہتا ہے کہ "یہ دو ذہنی مجموعوں کا اتصال ہے جس سے وقوف پیدا ہوتا ہے" پروفیسر اسٹاؤٹ (Stout) کا بیان ہے کہ "وہ ایک ایسا عمل ہے کہ جس کے ذریعہ ذہنی نظام ایک نیا عنصر جذب کرتا ہے یا نئی صورت اختیار کر لیتا ہے" لینگ (Lange) یہ خیال کرتا ہے کہ "ادّراک ایک نفسی عمل ہے جس کے ذریعہ انفرادی ادراکات، خیالات یا مرکب خیالات ہماری سابقہ علمی اور جذباتی زندگی سے اتصال پاتے، اس کے ساتھ جذب ہوتے اور اس طرح صاف نمایاں اور

سرگرم عمل ہو جاتے ہیں" ڈاکٹر ہیورڈ (Hayward) نے اور بھی سلاست سے کام لیا ہے وہ کہتا ہے کہ "نئے واقعات اور تجربات کی سابقہ معلومات کی روشنی میں توضیح کرنے کا نام ادراک ہے" لیکن سلاست واختصار میں ولیم جیمس کی تعریف پر بازی لے جانا دشوار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "حقیقت میں ادراک کا مطلب صرف کسی شئے کو ذہن میں داخل کرنا ہے"۔

ادراک کے معنی اس عمل سے زیادہ کچھ اور نہیں کہ نفس میں کوئی شئے داخل ہو۔ صرف یہی اور اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ! جب آپ نے یہ کہا تو ادراک کے متعلق سب کچھ کہہ ڈالا مگر میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا آپ ادراک کے متعلق سب کچھ کہہ گذرے؟ اقلیدس کی چند تعریفات، براہین اور اصول موضوعہ ایسے ہیں جنہیں غبی سے غبی لڑکا بھی باآسانی سیکھ سکتا ہے۔ لیکن ان ہی میں جایٹری کے وہ تمام حقائق مضمر ہیں جن کے سمجھنے میں سینیئر رینگلروں (کیمبرج کے اعلیٰ درجہ کے طیلسانینِ ریاضی) نے دماغ پاشی کی ہوگی اسی طرح جیمس کی تعریف کے پندرہ لفظوں پر پندرہ ہی جلدیں لکھی جاسکتی ہیں مگر ہم اس سے محدود دائرے میں ادراک کے معنی کو ظاہر کرنے کی کوشش کرینگے۔

آپ ایک بلی کتے اور بندر کو صرف دودھ پر پالیں بلی کے ہاضمہ کی مشین دودھ کو بدل کر بلی کا گوشت پوست بناتی ہے اور اسی دودھ

کے مُبدّل ہونے سے کُتّے کا گوشت پوست بنتا ہے۔ بعینہ یہی حال بندر کا ہے یہاں ان سب وہی ایک غذا، ہاضمہ کا وہی ایک فعل ہے مگر دودھ کو جزو بدن کرنے والے جانور کی اندرونی بناوٹ ایسی ہے کہ پیداوار میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا ہے۔ یعنی اسی دودھ کو اندرونی بناوٹ نے ایک جگہ بلی دوسری جگہ کُتّے تیسری جگہ بندر میں مبدّل کر دیا خیال گویا نفس کی غذا ہے اگر ہم مختلف نفوس کو ایک ہی قسم کی ذہنی غذا دیں تب بھی نتائج مختلف ہوں گے پروفیسر ایڈمس کی رائے میں خیال پر موجودہ خیالات کے عمل کرنے کا نام ادراک ہے اور چونکہ کوئی دو نفس خیالات کی ترتیب اور تعداد کے لحاظ سے بالکل یکساں نہیں ہوتے لہذا اس سے یقیناً یہ استخراج کیا جائیگا کہ کوئی دو شخص کسی شئے کے متعلق بالکل یکساں خیالات نہیں رکھیں گے۔ اگر فلسفۂ ہربارٹ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اس امر پر زور دے کہ کوئی دو شخص بالکل یکساں تصور نہیں قائم کرسکتے۔ اور خصوصاً اُستاد اور شاگرد کے خیالات کبھی بھی یکساں نہ ہونگے تو یہ اُس فلسفہ کے مفید اور سودمند ہونے کی کافی دلیل ہے۔

ایک ماہرِ فلکیات سورج گرہن دیکھتا ہے۔ اُس کے ادراک پر ذہنی مشمولات کا عمل ہوتا ہے اور اُس کے نتیجہ کے طور پر جو ادراک ہوگا

وہ قوانینِ قُدرت کی دلچسپ توضیح ہوگی اور اس سے جذبات میں کسی قسم کا ہیجان پیدا نہ ہوگا - ایک وحشی اسی شئے کو دیکھتا ہے اُس کے ذہنی مشمولات اس کے ادّراک پر عمل کرتے ہیں لٰہذا جو ادّراک نتیجہ کے طور پر ہوگا وہ کچھ اس قسم کا تصور ہوگا کہ سورج کو شیطان خوف دلا رہا ہے اور اُسے روشنی سے محروم کر دینا چاہتا ہے - پس جو جذبہ اُبھریگا وہ انتہائی خوف کا ہوگا - اوپر کی دونوں مثالوں میں جو خیال نفس میں داخل ہو رہا ہے (یعنی گرہن کے ظہور کا) ایک ہی ہے لیکن مشمولاتِ ذہنی ان دونوں کے جداگانہ ہیں لٰہذا جو ادّراک منتج ہو اوہ بھی دونوں صورتوں میں مختلف ہے -

ایک ظالم شخص یہ دیکھتا ہے کہ ایک گھوڑے پر ظلم کیا جا رہا ہے اس ادّراک پر اُس کے شعور کے ظالمانہ خیالات عمل کرینگے - پس نتیجہ کے طور پر جو ادّراک ہوگا وہ بے رحمانہ قہقہے کی صورت میں ظاہر ہوگا اگر اسی واقعہ کا مشاہدہ کوئی رحمدل شخص کرے تو ظاہر ہے کہ نتیجہ کیا ہی مختلف ہوگا!

ایک لڑکا جو بھوت پریت کے قصے پڑھ رہا تھا رات کے وقت قبرستان میں سے گذرتا ہے اور چاندنی میں کُہر سے بنا ہوا درخت دیکھتا ہے اُس کے شعور میں بھوت کے خیالات موجود ہیں اور وہ سفید کُہر دیکھتا

ہے اُس کے مشمولاتِ ذہنی اس خیال کو جذب کرتے ہیں۔ پس اُس کا ادّراک لازماً اسی مافوق الفطرت شے کی تصویر ہے۔ بخلاف اس کے ایک شخص جس کو ابھی معلوم ہوا ہے کہ اس پر ذاتِ الریہ کا اثر ہے وہی کھر سے بنا ہوا درخت دیکھتا ہے اور اُسی کو ادّراک ہوتا ہے کہ یہ اُس کے آلاتِ تنفس کے لئے خطرہ کا باعث ہے۔

اس کا کیا سبب ہے کہ ایک لڑکی چوہے کے دیکھنے سے مارے خوف کے کرسی پر کھڑی ہو جاتی ہے مگر لڑکا چوہے پر پل پڑتا ہے دونوں صورتوں میں ادّراک ایک ہے مگر مشمولاتِ ذہنی کے اختلاف سے ادّراک میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا۔

جب ٹامس گریڈ گرنڈز (Thomas Gradgrinds) جیسے سادہ منش عملی انسان واقعات کا مطالبہ کرتا ہے تو اسی کا یہی جواب ہے کہ واقعات میسر نہیں آسکتے اگر ایسا ممکن بھی ہو کہ ہمارے گردوپیش واقعات مطلق بالکل عریاں ہوں تو جوں ہی وہ نفس میں داخل ہوں گے وہ درحقیقت گرگٹ کی طرح رنگ بدلیں گے۔ اس سے اس حکم کی کہ "قاعدے اور کلیہ بنائے جائیں" توضیح ہوتی ہے ہم اچھی طرح قاعدہ یا کلیہ بنا سکتے ہیں جو انصاف اور حقیقت پر مبنی ہو بشرطیکہ ہم مجرم کی آنکھ سے دیکھیں اور جیسا اُسے ادّراک ہوتا ہے ہم بھی حاصل کریں

لیکن چونکہ کسی دو شخصوں کے مشمولاتِ ذہنی ایک نہیں ہوتے اس لئے ادراک بھی ایک نہ ہوگا پس چارلس ریڈ (Charles Reade) کا یہ کہنا کہ "دوسرے کی نظر سے دیکھنا چاہئیے" (لیلی را بچشم مجنوں باید دید) نفسیاتی نقطۂ نظر سے ایک لاحاصل سعی ہے۔

ٹیٹانیا (Titania) ایک گدھے پر فریفتہ تھی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ کوئی بہت غیر معمولی تجربہ نہیں ہے کیا اسے ہم حواس کا وہم نہ کہیں گے؟ ممکن ہے کہ ٹیٹانیا اور اس کی سہیلیوں کے اعصاب بصری ایک ہی قسم کے مہیج دماغ کو پہنچاتے ہوں اور تحسسات جن کے ذریعہ سے نفس نے جواب دیا، سب کے ایک ہی ہوں مگر ٹیٹانیا کا معاملہ اور ہی تھا۔ طلسم نے اس کے ادراکی مواد کو اس طرح بدل رکھا تھا کہ باوجود باٹم (Bottom) پارچہ باف کا سر گدھے سے مُتبدل ہونے کے یہ شخص اُس کو اپالو (Apollo) کی طرح خوبصورت معلوم ہوا یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ ٹیٹانیا کا سا تجربہ کسی قدر ترمیم کے ساتھ دوسروں کو بھی ہوتا ہے کیونکہ اگر ہم سب کو کسی شئے کا ادراک ایک طرح کا ہوتا تو اس کا یہ مطلب ہوتا کہ ہم ایک ہی قسم کی کتابیں پڑھتے ایک ہی قسم کا نغمہ پسند کرتے اور ایک ہی قسم کے کھیل اور مشاغل اور ایک ہی نوع کے کاروبار اور پیشے اختیار کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ روزمرّہ کے

کاروبار بے ہنگام اور بڑی طرح پورے ہوتے۔ خصوصاً شادی کے معاملے میں دورِ حاضرہ کے فسانہ نگاروں کو اچھا خاصہ وسیع میدان مل جاتا۔

جبکہ مادّی اور حقیقی اشیاء کا مشاہدہ کیا جارہا ہے عملِ ادراک میں اس درجہ اختلاف ہے۔ یہ اختلاف اور بھی زیادہ ہوگا جبکہ بجائے اشیاء کے الفاظ استعمال ہوں۔ حقیقی اشیاء کے نئے خیال کا ادراک تو سب کو یکساں ہوگا جس چیز میں کہ اختلاف ہے وہ ذہنی مشمولات ہیں۔ لیکن الفاظ کے معاملہ میں ادراک کی یکسانیت کے متعلق اتنا اطمینان نہیں ہوسکتا۔ اکثر حضرات ایسے الفاظ اور محاورات استعمال کرتے ہیں جو خود اُن کے لئے معنی سے خالی ہوتے ہیں اور جب اس قسم کے اشخاص ایسی بکواس کریں جس کا صحیح مفہوم خود اُن ہی کو نہ معلوم ہو تو ظاہر ہے کہ وہ خود اپنے اور دوسروں کے لئے کیا مواد پیش کریں گے جن پر ادراکی مجموعوں کا عمل ہوسکے۔ اس خصوص میں دینیات کی اصطلاحیں بدنام ہیں لیکن دینیات پر ہی کیا موقوف ہے ہماری تحریر اور تقریر دونوں ایسے بے شمار بے جاں بے معنی فقروں سے پُر ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے الفاظ کے معنی کیسے ہی صاف اور واضح کیوں نہ ہوں مگر سب کے لئے ایک نہ ہونگے درآں حالیکہ ارزاں لغتوں کی کثرت ہے

یہاں یہ یاد رکھنا مناسب ہوگا کہ اگر کسی شئے کی تعریف ناقص یا بالکل ہی غلط ہو اور اُسے صحیح مان کر استعمال کیا جائے تو جو کچھ خیالات کی تعمیر اس پر ہوگی وہ بھی ناقص اور غلط ہوگی۔

ایک انگریزی تمثیل مشہور ہے کہ "پنس کی حفاظت کرو تو پاؤنڈ اپنی حفاظت آپ کریں گے" (Take care of the pence and the pounds will take care of themselves) اس کا یہ مطلب ہوا کہ رقمی معاملات میں جہاں اِسراف کی صورت ہے وہ چھوٹی چھوٹی رقموں سے شروع ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مُبہم غور و فکر سے بچنا چاہے تو اُس کو چاہیئے کہ الفاظ کے معانی زیادہ تحقیق اور تفتیش سے معلوم کرے۔

اگر نیا ادّراک اس نوعیت کا ہے کہ وہ نہ صرف ایک ہی خیال بلکہ جملہ خیالات کے مواد کی صحت اور اصلاح کرے تو ایسی صورت میں بعض وقت پورے ادراکی مواد میں قلب ماہیت یا کایا پلٹ واقع ہوتی ہے جُستہ کو اگر پانی میں ڈالا جائے تو کوئی تبدیلی نہ ہوگی مگر اسی کو دودھ میں ڈالا جائے تو حیرت انگیز تغیر واقع ہوگا۔ خیالات کا بعینہ یہی حال ہے کبھی تو وہ پرانے خیالات میں خفیف سی تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں اور کبھی اُن سے انقلاب عظیم رونما ہوتا ہے۔ آخر الذکر صورت میں

ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنے قدیم معیّنہ خیالات کے مواد کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ بیٹھیں۔ پس تحصیلِ علم کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ہماری معلومات میں اتنا اضافہ نہیں ہوتا جتنی کہ اُن کی مکرّر تعمیر ہوتی ہے۔ آرکیمیڈیس (Archimedes)۔ بطلیموس۔ گیلوانی (Galvani) والٹا (Volta) اور نیوٹن (Newton) سے لے کر واٹ (Watt) ڈارون (Darwin) اڈیسن (Edison) اور مارکونی (Marconi) تک ہمیں تمدن کی تاریخ بتا رہی ہے کہ محض ایک ہی معمولی سے ادراک اور ایک ہی سریع اور لایق ستائش فکر نے اکثر سارے نظام علم کو تہ و بالا کر ڈالا اور اس کی شدید ضرورت پیدا کر دی کہ سابقہ معلومات کی از سرِ نو دیکھ بھال اور ترتیب عمل میں آئے۔

اگر ہمارا قدیمی اخلاقی اور مذہبی نقطۂ خیال جو اب تک ہماری زندگی پر اثر انداز ہوا ہے اور جس سے گہرے اور پائدار احساسات پیدا ہو کر ہمارے ارادہ اور افعال پر منتج ہوئے انقلاب پیدا کرنے والے عمل ادراک سے متاثر ہو تو یہ انسان کو بالکل ہی بدل کر ایک بالکل نیا آدمی بنا دے گا۔ لینگ کہتا ہے کہ "ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کمزور اور بدخصلت طبائع میں اخلاقی وقوف کی تبدیلی سے ارادہ کی تبدیلی بالالتزام واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کے علم و عمل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن

یہاں مندرجہ بالا مفروضہ میں کچھ نقص ہے یہ کہ ان کے اخلاقی دائرۂ خیال نے اب تک ان کے ارادے اور افعال متعین کئے اور ان کی رہبری کی۔ یہی نہیں بلکہ ان کے اخلاقی نقطۂ خیال اور فیصلے زبردست احساسات اور جدوجہد کا سرچشمہ رہے۔ جو شخص بھلائی اور نیکی کو محض نظری علم تصور کرے اور اعلٰی الہامات اور مستقل ارادہ کا سرچشمہ نہ سمجھے وہ اپنی طبیعت کو بدلے بغیر اپنے عقاید کو بار بار بدلے گا۔ اس کے علاوہ یہاں یہ کہہ دینا بھی بے محل نہ ہو گا کہ ایک بنیادی اور مستقل تبدیلی کا تقاضا یہ ہے کہ علاوہ وقوف کی تبدیلی کے ارادہ کی مسلسل کوشش اور مشق دوسری چیزوں میں بھی ہو۔

تبدیلیٔ خیالات کا موضوع یہاں برمحل ہو گا مگر جگہ کی قلت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ محض اس کے نمایاں خط و خال پر اکتفا کی جائے۔ اصل میں یہ نفس کے ادراکی مواد کی تنظیم ہے۔ پس پہلی ہی نظر میں ہم اُسے ذہنی عمل کہیں گے جو وقوف اور علم پر موقوف ہے اس تنظیم کی وسعت اور نوعیت کو تبدیلی کی ابتداء اور بنیاد کہنا چاہیئے جس کا عمل گہرے احساسات کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ ان احساسات سے ایک قسم کے شوق کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے کہ تبدیلی کا خیال جو ذہن میں پیدا ہوا ہے اُس کے مطابق عمل کیا جائے۔ پس یہ شوق مثل ایک سرچشمہ کے ہوتا ہے

جس سے ارادہ کی نہریں بہتی ہیں اور وہ ہمارے افعال اور کردار پر اس طرح اثر انداز ہوتی ہیں کہ ہمیں پہلے وقوف ہوتا ہے، پھر احساس، اس کے بعد شوق اور سب سے آخر میں ارادہ کا ظہور ہو کر ہمارے اعمال پر منتج ہوتا ہے اب نئی تنظیم کو مستقل نوعیت دینے کا سوال ہی اہم نہیں ہے بلکہ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ وقوف، احساس، شوق، ارادہ اور عمل کے درمیان جو تعلقات ہیں وہ بھی بہ روئے کار رہیں۔ اول الذکر مقصد کے حصول کے لئے مسلسل گہرے غور و خوض کی ضرورت ہے اور آخر الذکر کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے تعلقات کا کافی استعمال ہو اور کسی شئے کے متعلق وقوف سے لے کر کسی فعل کے سرزد ہونے کے عمل تک جتنے مدارج ہیں اُن پر نظر ڈالنے اور جانچ پرتال کرنے کی عادت ڈالی جائے۔

لیکن یہی نہیں ہے کہ محض باہر کے ارتسامات کا ادراک ہوتا ہے جسے خارجی ادراک کہتے ہیں بلکہ نفس میں جو خیالات موجود ہیں اُن میں بھی اس کا عمل ہوتا ہے جسے داخلی ادراک کہیں گے۔

دامن پہاڑ کی دلدل سے متعدد نہریں گھاس اور درختوں کی جڑوں سے ہوتی ہوئی نکلتی ہیں مگر اسی وقت جب کہ ان کا اتصال ہوتا ہے پانی کی قوت بڑھ جاتی ہے اور اس کی مقدار اتنی ہوتی ہے کہ بڑی سے بڑی

چیز دھارے کے بہاؤ میں آجاتی ہے دوسری تمثیل اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔ کارتوس کے اندر شورہ، گندھک اور کوئلہ صرف تین ہی چیزیں ہیں اور ان کے تناسب سے بارود تیار ہوئی۔ گویہ بظاہر پاس پاس ہیں مگر ان کی طبیعی آمیزش نہیں ہوئی ہے۔ اگر ان کو دبا کر بھرا جائے یا گرمی کی مدد سے ان کے سالمات کو قریب تر کیا جائے تو نتیجہ ایک دھماکے کی صورت میں ہوگا۔ پہاڑ کے دامن سے جو نہریں نکلیں اُن کو بھی کوئی نئی قوت نہیں پہنچائی گئی اور بارود میں بھی کوئی نیا جزو شریک نہیں ہوا لیکن صرف انکی اندرونی ترتیب میں تبدیلی واقع ہوئی۔ نہروں نے زبردست دھارے کی قوت حاصل کر لی اور بارود کی قلب ماہیت سے تو ایک انقلابی تبدیلی واقع ہوئی یہ ذہنی عمل کی مادّی توضیحات ہیں جس کو ہربارٹ کی اصطلاح میں داخلی ادراک کہا گیا ہے۔

جو خیالات دخانی انجن کے بنانے میں مُمد ہوئے وہ واٹ سے پیشتر بھی معلوم تھے مگر جن نفوس میں یہ خیالات موجود تھے وہ کم و بیش فرادہ فرادہ اور مختلف ادراکی مواد سے متعلق تھے۔ موجد کے فکرِ رسانے داخلی ادّراک کے عمل سے مناسبِ حال خیالات کو یکجا کیا۔ جوں ہی ان کا اجتماع ہوا دنیا دخانی انجن کی ایجاد سے مستفید ہوئی۔ پھولوں کے متعلق ایک شاعر کے مقابلہ میں ماہر نباتات کے خیالات زیادہ پاکیزہ، اس کے

تجربات مالامال اور اس کا علم ہر طرح وسیع ہوگا - اگر ایسا ماہر نباتیات اپنے داخلی ادراک کو شاعر کی طرح کام میں لائے تو کیا ہی شاندار شاعری ہوگی - پریسیڈنٹ گارفیلڈ (Garfield) نے کیا خوب کہا ہے کہ "گلی میں کسی شکستہ حال لڑکے کے پاس سے گذرتے ہوئے مجھے ہر مرتبہ معاً یہ خیال گذرتا ہے کہ میں سلام کے لئے اپنی ٹوپی اُتاروں - کون کہہ سکتا ہے کہ کیا امکانات اس میں موجود ہیں - یہ دل لگتی بات ضرور ہے جو نہ صرف ایک شکستہ حال لڑکے پر بلکہ ایک ادھیڑ عمر کے معمولی علمی قابلیت رکھنے والے شخص پر بھی صادق آتی ہے - گو آخرالذکر کا مبلغِ علم کچھ زیادہ وسیع نہ ہوگا اور نہ اس میں حاصل کرنے کی صلاحیت ہوگی تب بھی اُس کے دماغ میں اتنے خیالات تو ضرور ہونگے کہ سماج میں نہ سہی کم سے کم اپنی ہی ذاتی زندگی میں انقلاب پیدا کردے گا بشرطیکہ وہ ان خیالات کی ترکیب صحیح طور پر کر سکے - ممکن ہے کہ کسی روز اُس کی نفسی کل میں ایسی ہل چل واقع ہو کہ منتشر مواد بھی اکھٹا ہو کر ایک ایجاد یا تعمیم یا ایک مسلمہ نظریہ کی صورت اختیار کرے جو کروگر (Krüger) کے تاریخی اہمیت رکھنے والے قول کے مطابق کیا بعید کہ بنی نوع انسان کو "ششدر اور مبہوت" کردے -

نئے عِلم کا حصول بمقابلہ اس کے کہ قدیم اور جدید اذّرا کی مواد کی

ترکیب عمل میں لائی جائے عام طور پر زیادہ مقبول ہے بالفاظِ دیگر خارجی ادراک سے اکثر کام لیا جاتا ہے بخلاف اس کے داخلی ادّراک سے جو انفعالی اور غیر شاعرہ نہیں بلکہ عاملہ اور شاعرہ دونوں ہے شاذو نادر ہی کام لیا جاتا ہے (بسا اوقات کسی شخص کو یہ مشورہ دینا زیادہ مفید ہوگا کہ وہ نئے واقعات کو اپنے حال پر چھوڑ دے اور مستقل مزاجی کے ساتھ سابقہ واقعات کی ترتیب و تنظیم میں مصروف ہو جائے اور یہ معلوم کرے کہ وہ کہاں تک ان کے ادراکی مجموعے اور جتھے بنا سکتا ہے) یہاں گالٹن (Galton) نے ایک مشورہ پیش کیا ہے جس سے واقعات کی تنظیم و تعمیم میں بڑی مدد ملے گی - وہ شعور کے پیش دالان کا ذکر کرتا ہے جہاں خیالات بھیڑ لگائے شاہی دیوان خاص میں داخلہ کے متمنی رہتے ہیں جو خیال شاہی حدود میں مرکزِ توجہ پر ہے وہ اسی تاک میں رہتا ہے کہ کوئی اپنا رفیق ڈھونڈ نکالے مگر ہم کسی کو اپنے ارادے سے طلب نہیں کر سکتے بلکہ وہ اپنی مرضی سے داخل ہوتے ہیں اور ہمیں اس گھڑی کا انتظار کرنا پڑتا ہے -جوں ہی خیالات داخل ہوتے ہیں ناموزوں مسترد کر دئے جاتے ہیں اور موزوں خیالات کے ادراکی مجموعے بنتے ہیں- لزارس (Lazarus) کا بیان ہے کہ سابقہ ادراکی مجموعے شعور کے قلعے میں مسلح سپاہیوں کی طرح ہیں اور جو شئے قلعہ کے

دروازے پر موجود ہو وہ اُس پر جھپٹ پڑتے اور اُس کو مغلوب کر کے اپنی خدمت گزاری میں لے آتے ہیں۔

جب سے کہ اسٹی ونسن (Stevenson) نے اپنی کتاب دی اسٹرینج کیس آف ڈاکٹر جیکل اینڈ مسٹر ہائڈ
("The Strange Case of Dr. Jekyll and Mr. Hyde.")
شائع کی انسان کی دوہری شخصیت کے چرچے ہونے لگے امرمین (Immermann) نے اسی قسم کے مظہر کی ایک عجیب و غریب مثال بیان کی ہے یہ ایک سابق کپتان کا قصہ ہے، جو پہلے فرانسیسی اور پھر پروشیا کی فوج میں کام کر چکا تھا۔ وظیفہ پر سبکدوش ہونے کے بعد وہ باری باری سے کبھی نپولین کا اور کبھی شاہ پروشیا کا حامی بن جایا کرتا تھا۔ وہ اپنے خیالات کو فوجی ترتیب دیکر مختلف پلٹنیں ایک دوسرے سے آزاد بناتا اور باری باری سے اُن کی کمان اپنے ہاتھ میں لیتا تھا۔ جس روز یہ سور ما نپولین کا سرگرم حامی ہوتا وہ دل سے پروشیا والوں سے نفرت کرتا اور جب اس کا گنبد شعور پروشیا والوں کے حُسن ظن سے معمور ہو جاتا تو وہ نپولین کو مجسم شیطان سمجھتا تھا۔

ممکن ہے کہ دوہری شخصیتیں شاذ و نادر ہوں لیکن جو کچھ بھی ہو یہ امر یقینی ہے کہ متعدد شخصیتیں اس کثرت سے ملیں گی جیسے توت کوہی۔

ایک شخص جو صبح سے شام تک سُود پر روپیہ چلاتا ہے گھر پہنچ کر اپنے اہل و عیال کی موجودگی میں دوسرا انسان بن جاتا ہے - یہی شخص کلب یا کسی سیاسی محفل میں شریک ہو کر کچھ اور ہی شخصیت اختیار کرلیتا ہے - اس شخصیت کی تبدیلی کو کسی حالت میں مکّاری نہیں سمجھنا چاہئیے - یہی قرض دہندہ جب اپنی دوکان میں ہوتا ہے تو وہ واقعات کو قرض دہندہ کے ادّراکی مواد سے دیکھتا ہے اور جب اہل و عیال کے ساتھ ہوتا ہے تو ازدواجی اور پدری مواد سے کام لیتا ہے - یہی صورت اس کی اور حالتوں کی ہے - وہ اس ضرب المثل کی توضیح ہے کہ انسان اپنی زندگی میں مختلف رنگ و روپ بھرتا اور متعدد صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے -

عام طور پر ہمارے گم کردہ راہ ہونے کا یہہ باعث ہے کہ ہمارا ادّراکی مواد اکثر و بیشتر منتشر ہوتا ہے بہتر ہو گا کہ ہم اسے ایک بڑے مجموعے میں ترتیب دے لیں اسطرح کہ کوئی ضروری اور اہم اصول ان میں مشترک ہو - ہربارٹ کی رائے میں "علم پر پورا عبور اُس وقت حاصل ہوسکتا ہے جب انسان ایسے خیالات کا مجموعہ بنانا معلوم کرلے جو اپنے گردو پیش کے ناموافق صورت حال پر قابو پانے اور موافق کو جذب کر کے اپنے میں متحد اور شریک کرنے کی قوت رکھتا ہو -"

بعض وقت کوئی ادراک کافی مدت تک جذب ہوئے بغیر ذہن میں

*8

موجود رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ نوجوان اشخاص انجیل اور مستند مصنفین کی کتابوں کے اقتباس حفظ کر لیتے ہیں باوجودیکہ وہ اُس وقت معنی اور مطلب سے آشنا نہیں ہوتے ۔ کہیں سالہا سال کے بعد اس کا مطلب اُن کے ذہن نشین ہوتا ہے، خیالات آپس میں متحد ہونے کے لئے مناسب اور موزوں وقت کے منتظر رہتے ہیں جب اُن کے اتحاد کا وقت آتا ہے تو اب تک جو کچھ معمے کی صورت میں تھا صاف اور واضح ہو جاتا ہے اکثر ادراک ایسے اہم موقع پر ہوتا ہے جب کہ یہ نئی بصیرت خاص قدر و قیمت کی ثابت ہوتی ہے ۔ لینگ کہتا ہے کہ کبھی بالغ العمر اشخاص کے ذہن میں بھی ایسے الفاظ، جملے اور عجیب و غریب خیالات آجاتے ہیں کہ خود اُن کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسے آگئے ۔ وہ حیرت و استعجاب کے ساتھ اپنے ذہن سے سوال کرتے ہیں کہ اس نئی بصیرت کا کیا مفہوم و مطلب ہے ۔ اور اس کی کیا قدر و قیمت ہوسکتی ہے ۔

آخر ہربارٹ کے پیرو اُن واقعات کے مظاہر کی جو ہمیں متحیر کئے ہوئے ہیں کیا توضیح کرتے ہیں ؟ اس کی کیا وجہ ہے کہ بعض چیزیں ہمارے تجربوں کی اِس بُری طرح سے تردید کرتی ہیں کہ ہم اُنہیں کسی طرح سابقہ علم سے مربوط نہیں کرسکتے، اس کا جواب یہی ہے کہ جو خیال ہمارے ذہن کے سامنے پیش ہوتا ہے اُس کے ادراک میں ہمیں کامیابی نہیں

ہوتی - اس لئے ہمارا استعجاب کبھی شدید جذبے کے ساتھ ہوتا ہے اور ہماری سمجھ پر پردے پڑ جاتے ہیں - اس کی مثال ہمیں لیونگسٹن (Livingstone) کے ملازم میں ملتی ہے - آفریقہ میں اس نے پانی کا اتنا بڑا قطعہ نہیں دیکھا تھا جس کا سمندر سے مقابلہ کیا جا سکے مگر اُسے اپنے آقا کے ساتھ انگلستان جاتے ہوئے ہر طرف پانی ہی پانی نظر آیا اور جہاز کو لاانتہا سمندر کی موجوں پر حرکت کرتے ہوئے دیکھ کر وہ اس مبہوت کرنے والے نقش کو جذب نہ کر سکا اور نہ اپنے ادراک میں لا سکا - آخر کار وہ حواس باختہ ہو کر عرشۂ جہاز سے سمندر میں کود پڑا اور غرق ہو گیا - ہم میں سے شاید ہی کسی کو لیونگسٹن کے حبشی ملازم جیسا عبرتناک تجربہ ہوا ہو گا لیکن وقتاً فوقتاً ہم ایسے واقعات سے ششدر رہوتے رہے ہیں جن کی توجیہہ کرنے میں ہمیں ناکامی ہوتی ہے - مثلاً ہمارا ایک ہمسایہ جس سے سالہا سال سے دشمنی چلی آ رہی ہے کسی روز ایسا مہربان ہو جاتا ہے کہ تیتر کا جوڑا تحفہ میں بھیجتا ہے - ایک قرض دہندہ جو افسوسناک اصرار کے ساتھ اپنے حساب کتاب کا بار بار مطالبہ کرنے کا عادی ہے فوراً ہی اپنے اصرار پر عذر خواہ ہو کر مزید قرضہ دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے، ایک مہذب و شائستہ دوست ایک ملازمہ سے شادی کر لیتا ہے، ایک کاہل لڑکا اپنے استاد سے مشکل اور زیادہ ہوم ورک

کے لئے ملتجی ہوتا ہے - یہ سب صورتیں ایسی ہیں کہ جن سے ہمیں اچنبھا ہوتا ہے اور عدم تیقن و شبہ کا احساس پیدا ہونے کے باعث ہم نئے ادراک کو اپنے ہمسایہ اور قرض خواہ، دوست اور طالب علم کے سابقہ معلومات سے مربوط نہیں کرسکتے - لیکن جوں ہی ہم اپنے سابقہ ادراکی مواد میں کوئی ایسا نقطہ پالیتے ہیں جس سے نئے قیاس منسلک کرسکیں تو ہمارا شبہ اور عدم تیقن بالکل دور ہو جاتا ہے -

یہاں ہم اس طویل باب کا مختصر خلاصہ درج کرتے ہیں :—

(۱) ادراک وہ عمل ہے جس کے ذریعہ سے نیا علم نفس میں داخل کیا جاتا ہے اور نفس میں داخل ہونے کے بعد اُس کی ترتیب دے لی جاتی ہے -

(۲) کسی ایک درک کا ادراک مختلف شخصوں کو جداگانہ صورت میں ہوتا ہے - کوئی دو نفس کسی شئے کو یکساں طور پر نہیں دیکھتے - ادراکی مجموعہ دو اجزاء کا نتیجہ ہوتا ہے یعنی موجودہ خیالات اور سابقہ ذہنی مشمولات -

(۳) نیا ادراک ہر شخص کے لئے یکساں ہوتا ہے - جس چیز میں اختلاف ہے وہ سابقہ ذہنی مشمولات ہیں -

(۴) نفس کی غذا واقعات مطلق نہیں ہیں۔ جتنے واقعات پیش ہوتے ہیں سب اضافی ہیں اور بے شمار طریقوں سے نفوس کے غیر محدود اقسام کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ ان میں عمل انجذاب یا عمل ادراک سے تبدیلی ہوتی ہے۔

(۵) یہ دنیا کی فلاح و بہبود کے لئے خوش قسمتی کا موجب ہے کہ ہم اشیاء کا ادراک یکساں طور پر نہیں کرتے۔

(۶) حقیقی اشیاء کا خیال جو فرداً فرداً نفس کو ہوتا ہے اُس میں بڑا اختلاف ہے اس سے کہیں زیادہ اختلاف اُن صورتوں میں ہوتا ہے جب کہ بجائے حقیقی اشیاء کے خیالات الفاظ کے جامہ میں ہوں۔

(۷) بعض ادراکات انقلاب پیدا کرنے والا عمل اپنے اندر رکھتے ہیں "تبدیلی خیالات" انہی انقلابی ادراکات سے ہوتی ہے۔

(۸) خارجی ادراک (یعنی باہر سے کسی خیال کو جذب کرنا) ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ اُن خیالات کا داخلی ادراک بھی ہوتا ہے، جو ذہن میں موجود ہوتے ہیں۔

(۹) یہ نہایت مناسب ہوگا کہ داخلی ادراک کو باقاعدہ بنانے کے کام کو ہم مصمم ارادہ کے ساتھ انجام دیں۔ شعور کے پیش دالان کا خیال جو گالٹن نے پیش کیا ہے وہ اس معاملہ میں ہماری مدد کرے گا۔

(۱۰) تعدد شخصیات کی صورتیں جو ادراکی مواد کے علیحدہ علیحدہ کام کرنے سے پیدا ہوتی ہیں عام ہیں۔

(۱۱) ہم کو اپنے کردار میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے اس امر کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اپنے مشمولات ذہنی کا ایک بڑا مجموعہ خیال بنالیں۔

(۱۲) اکثر منتشر ادراکات کافی مدت تک بغیر ادراک پائے ہوئے ذہن میں رہتے ہیں۔

(۱۳) جب ہم کو کسی نئے تجربہ کے ادراک میں ناکامی ہوتی ہے تو ہم حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔

دسواں باب

شرائط ادراک

ادراک کے نظریہ کو تسلیم کرتے ہوے، ہمیں یہ معلوم ہوا کہ مُعلّم یا کسی پختہ عمر کا کام جو اپنی تعلیم کو جاری رکھے ہوئے ہے بالکل صاف اور سیدھا ہے اس لئے کہ ہربارٹ کی نفسیات کا تعلق ذہنی نشوونما سے بلاواسطہ اور عملی ہے چونکہ خیالات کی رسد سے ادراکی مواد بنتا ہے اور اُس میں ترمیم ہوتی ہے اسلئے بچے کا نفس زیادہ تر مُدرّس کے ہاتھ میں ہے اور ایک پختہ عمر متعلّم کا نفس ایک حد تک خود اُسی کے ہاتھ میں ہے -

ہلویٹیئس (Halvetius) کا دعویٰ ہے کہ پیدائش کے دن سے اگر کوئی لڑکا مدرّس کی نگرانی میں رہے اور عالم بیداری میں ہر لحظہ نگرانی ہو تو وہ جیسا چاہے اُس کے نفس کو ڈھال سکتا ہے، چاہے ہمہ صفت موصوف انسان کا مکمل نمونہ بنائے یا برائیوں اور بدکاریوں کا شیطان مجسم - ہربارٹ کا تو یہ عقیدہ نہیں ہے مگر وہ اس حد تک مانتا ہے کہ بچوں کی زندگی میں جو موانع یا رکاوٹیں جسمانی ساخت کی خصوصیتوں اور ناقابل ضبط بیرونی اثرات کے باعث پیدا ہوں وہ مدرّس کے اثر سے دور ہو سکتی ہیں -

لیکن جس قسم کی نگرانی ہلو۔ٹیئس نے تجویز کی ہے اگر وہ مناسب بھی سمجھی جائے تو حقیقت میں ناممکن العمل ہے۔ پروفیسر آیڈمس کہتا ہے کہ "۵ سال کی عمر میں جو لڑکا مدرسہ جاتا ہے وہ مدرّس کی قابلیت پر قسم قسم کے قیود اور پابندیاں عائد کرتا ہے۔ اس چھوٹے سے سر میں ہر ایک خیال بجائے خود ایک ایسی طاقت ہے جس سے مدرّس کو دو چار ہونا پڑتا ہے۔ بظاہر سب سے پیشتر اسکا یہ فریضہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے بچے کے ذہنی مشغولات کا پتہ چلائے۔ جہاں تک اس معاملہ میں اُسے کامیابی ہوگی وہ اُسی قدر سمجھ سکتا ہے کہ کسی خیال پر بچے کا نفس کیا ردعمل کریگا یہ امر کہ نفس لازمی طور پر فلاں ردِ عمل کریگا مدرّس کے لئے خاص طور پر رہبری کا موجب ہے۔ یہیں مرکزِ ثقل قائم ہوتا ہے اور یہی اس کے کام کی چیز ہے اس کے بعد اس کا رہا سہا کام علم و عقل کی ترقی و تعمیر ہے۔"

وہ نوجوان جو دنیا میں جدو جہد کے لئے قدم رکھتا ہے اور بھی زیادہ اپنے ذہن کی ترقی اور تعمیر میں موانع لیکر چلتا ہے کیونکہ اُس کا ادراکی مواد پہلے سے زیادہ وسیع، کثیر التعداد اور پیچیدہ ہوتا ہے بالفاظِ دیگر اس کی طبیعت کا میلان مشکل سے بدلتا ہے اب وہ چاہے اپنی ذہنی تعمیر میں آپ ہی لگ جائے یا یہ کام دوسروں پر چھوڑ دے

سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ اپنے ذہنی مشمولات کا پتہ چلائے۔ نوجوانوں میں نیا نیا اِدراکی مواد عام طور پر بنتا رہتا ہے اور پیرانہ سالی میں بھی کبھی کبھی پایا جاتا ہے لیکن سابقہ یا موجودہ ادراکی مواد پر نئے مواد کی تعمیر سے کلچر ممکن ہے۔ کسی قسم کا نصابِ تعلیم شروع کرنے سے پیشتر، سابقہ اِدراکی مواد کی نوعیت کا پتہ چلانے میں جس غفلت اور عدم احتیاط سے ابتداء میں کام لیا جاتا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ آگے چل کر متواتر اور مسلسل غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ ایسے جوشیلے اساتذہ کی مثالیں موجود ہیں جنھوں نے زراعت پیشہ مزدوروں کو جو بہ مشکل پڑھ سکتے ہیں اور لکھنے کا یہ عالم ہے کہ اُن کے عُضلات میں غیر معمولی طور پر کھینچ تان ہوتی ہے۔ ترغیب دی کہ وہ شارٹ ہینڈ (Shorthand) یا بُک کیپنگ (Book-keeping) کی جماعت میں شریک ہو جائیں۔ اکثر حضرات نہایت جسارت کے ساتھ سب سے پیچیدہ سائنس یعنی سیاسیات میں دخیل ہوتے ہیں درآنحالیکہ اُن کی ابتدائی تربیت علمِ حیات کے نظام جیسے عضویات حیاتیات اور عمرانیات میں جن پر سیاسیات کا انحصار ہے مطلق نہیں ہوتی اس کے علاوہ مذہبی تعلیم کی تعمیر بھی اکثر غیر مستحکم متزلزل اور محدود بنیاد پر ہوتی ہے۔

ہربارٹ کا یہ عقیدہ کہ خیالات میں بمقابلہ دماغ کے زیادہ فعلیت

ہے: ایک حد تک اس عقیدہ کے مخالفین کی آرا سے مطابق ہو رہا ہے۔ ہاجسن (Hodgson) کہتا ہے کہ "ارادہ میں اتنی قدرت نہیں ہے کہ تمثال کو شعور پر لا سکے بلکہ جو تمثال خود بخود شعور پر آ جائیں محض اُن کا انتخاب یا اُن کا دفع کرنا ارادہ سے ہوتا ہے"۔ بین (Bain) کا خیال ہے کہ "نفس سے جو چیزیں خارج ہوتی ہیں وہ کسی اصول کے تحت نہیں ہوتیں بلکہ لازماً بے ترتیب ہوتی ہیں صرف اُن کا انجام صاف طور سے پیش نظر ہوتا ہے اور معہذا ہر ایک غیر ارادی تحریک کی موزونیت کا ادراک ہوتا ہے البتہ قوتِ ارادی توجہ کو سرگرم عمل اور تجسس میں رکھتی ہے اور جوں ہی کوئی چیز نفس کے سامنے پیش ہوتی ہے وہ اس پر اس طرح جھپٹ پڑتی ہے جس طرح درندہ شکار پر جھپٹ پڑتا ہے"

نفسی مظاہر کا یہ نقطۂ نظر نہایت ہی اہم ہے ذہنی مشمولات خیالات پر مشتمل ہیں اور ادراکی عمل سے ان کا مواد تیار ہوتا ہے۔ فرض کیا جائے کہ ایک نیا خیال ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ ہم اپنے شعور میں ارادے کی کوشش سے اس نئے خیال کو پکڑے رہتے ہیں اور کسی ادراکی مواد کو طلب کرتے ہیں تاکہ اُس سے یہ مربوط کیا جا سکے مگر ہمیں اس کا یقین نہیں رہتا ہے کہ فوراً ہی کوئی موزوں مواد

مل جائے گا - جو کچھ ہم کرسکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ادراکی مواد کے جلوس کو معائنہ کے لئے گذر لینے دیں - شاید نیم درجن بلکہ ممکن ہے کہ بیسیوں ناموزوں خیالات شعور میں آئیں اور یکے بعد دیگرے انہیں رخصت کرنے کے بعد کوئی موزوں مواد مل جائے اور ادراکی عمل کی تکمیل کرے -

فرض کیا جائے کہ کوئی موزوں ادراکی مواد موجود ہی نہیں ہے ایسی صورت میں اگر نفس کسی مواد کا انتخاب کرے تو یہ لازماً غلط انتخاب ہوگا - یہ مشہور ہے کہ اسپارٹا کے باشندوں نے یہ تعلیم دی تھی کہ ایسی چوری مباح ہے جس میں پکڑے جانے کا خوف نہ ہو - پس راست باز باشندے اگر کسی کا گرا پڑا مال دیکھتے اور اُس کی نگرانی کرنے والا کوئی نہ ہوتا تو بلا کھٹکے چرالیتے تھے یہ خیال کہ چوری ہر حالت میں لازماً مذموم چیز ہے ان کے نفس میں کبھی داخل ہی نہیں ہوا تھا لہٰذا وہ کس طرح اس خاص معاملہ میں چوری کو مذموم سمجھتے - یہ سب استدلال اس لئے ہے کہ اچھے خیالات نفس کو مہیا کئے جائیں تاکہ موقع اور ضرورت کے لحاظ سے کسی صورت حال کا ادراک ہوسکے اور وہ تیار رہیں -

مسٹر راؤن ٹری (Rowntree) اپنی کتاب موسومہ "افلاس" میں بیان کرتے ہیں کہ "متمول طبقہ کو اچھی اور مسلسل تعلیم سے جو بہتر

زندگی اور اعلیٰ مقاصد کے فوائد حاصل ہیں اُن سے مزدور پیشہ محروم ہیں۔ وہ اکثر و بیشتر شراب خانے جاکر یا جوّے میں حصہ لیکر اپنی زندگی کی بدمزگی کو دور کرتے رہتے ہیں۔" اعلیٰ خیالات کا انتخاب ایک مزدور پیشہ کیسے کرسکیگا جب کہ اُس کے نفس میں ان کا وجود ہی نہ ہو۔"

چند سال پیشتر "رسالہ پنچ" میں ایک شرابی کی تصویر دی گئی تھی جو بے بسی کی حالت میں شراب کی دوکان کے سامنے ایک ستون سے سہارا لئے کھڑا ہے اور اُسے مسٹر پنچ اور ایک پولیس کا جوان دیکھ رہے ہیں۔

مسٹر پنچ نے پولیس کے جوان سے کہا "یہ افسوسناک نظارہ ہے کیا آپ کچھ نہیں کرسکتے؟"

جوان پولیس نے کہا "کچھ نہیں۔ شرابی نے امن میں کسی قسم کا خلل نہیں ڈالا اور اس نے قانون کی خلاف ورزی نہیں کی۔"

مسٹر پنچ نے یہہ سُن کر کہا کہ "اگر قانون یہی ہے تو اب وقت آگیا ہے کہ اُس میں تبدیلی کی جائے" اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اب قانون میں تبدیلی کا وقت آگیا ہے۔ مناسب تو یہی ہے کہ تبدیلی یوں کی جائے کہ مزدور پیشہ افراد اور اُن کی اولاد کو نیز ایسے نوجوانوں کو جو مدرسہ چھوڑکر سڑکوں پر آوارہ پھرتے ہیں، نئے خیالات بہم پہنچائے جائیں۔ اس معاملہ میں جو کچھ کیا جارہا ہے اُس سے کہیں زیادہ جدوجہد ہونی چاہیئے۔ ہم بہت

جلد یہ معلوم کرلیں گے کہ تمام چیزوں کا مدار خیالات ہی پر نہیں ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ دوررس ہیں -

اس معاملہ میں مسٹر راون ٹری سے زیادہ واضح مسٹر فیلڈنگ (Fielding) کے الفاظ ہیں - وہ کہتے ہیں کہ "مجھے بھوکا رکھا جائے کتابوں اور اچھے لوگوں کی صحبت سے محروم رکھا جائے اور ساتھ ہی عیش و نشاط شراب اور قمار بازی کی تعلیم دی جائے اور ڈاکوؤں کی جائے پناہ پر ایک کیسۂ زر میرے سامنے رکھ دیا جائے تو میں یقیناً اُس کو اُٹھالوں گا" کسی انسان کو بُرے خیالات سے سرشار کر دیا جائے تو کیا وہ اُن پر عمل نہیں کریگا؟ ہم کسی بُرے کام کرنے کی ترغیب و تحریص کو بھلائی اور بُرائی کے درمیان ایک کشمکش سمجھتے ہیں - اگر اچھے خیالات نہ ہوں تو ایسی تحریص ناممکن ہے یا اگر تحریص ہوتی بھی ہے تو وہ مختلف نوعیت کی بُری تحریکات کی کشمکش کا نتیجہ ہوتی ہے -

خیالات کی رسد کے معاملہ میں ہر بارٹ کے معتقدین کا استدلال نہایت قوی ہے - دورانِ تعلیم میں جب کہ نفس کسی خیال کی تلاش میں رہتا ہے، مدرس یہ جان کر (جیسا کہ اس کو بلاشبہ جاننا چاہیئے) کہ بچے کے نفس میں کون چیزیں وقوع پذیر ہو رہی ہیں اور نفس کی کل (مشین) کن قوانین کے تحت کام کر رہی ہے، وہ زیر بحث خیال کی استحضاری فعلیت کو دوبالا کر سکتا ہے اور ایسا انتظام کر سکتا ہے کہ خیال راست گنبدِ شعور

کی چوٹی پر پہنچ جائے - مثلاً کسی موقع پر ایک لڑکے کو اس قسم کی تحریص ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسباق سے لاپروائی برتے؛ اور وہ اپنے ذہنی تعطل کے واجبی ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرنے کے لئے فکر میں پڑ جاتا ہے - ایسے موقع پر اُس کا اُستاد اُن ذہنی کیفیات کا اندازہ کر کے کہ وہ کرکٹ کھیلنے کے لئے بے چین ہے کرکٹ کی استحضاری فعلیت کو اور چمکا دیتا ہے - چنانچہ غالباً وہ نہایت ہی ہمدردی کے ساتھ کرکٹ کے متعلق ہی گفتگو کریگا اور اس کے بعد طالب علم کے ذہن نشین یہ بات کریگا کہ سبق سے لاپروائی برتنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ وہ شاید پورا ہفتہ اس کھیل سے محروم رکھا جائے - سبق سے لاپروائی اور کرکٹ سے محرومی کا ایک ادراکی مجموعہ بنے گا اور اسباق میں محنت اور کرکٹ کی مشق کا دوسرا مجموعہ ہوگا - کشمکش ان دونوں مجموعوں کے درمیان ہوگی اور دس میں نو حصے اس کی امید ہے کہ کرکٹ کا شوق میدان جیت لے - یہاں مدرّس نے کرکٹ کے ذریعہ سے اعلیٰ وارفع خیالات کو اُکسایا اور بلا شبہ اس مزاج دانی کی بدولت مقصد حاصل ہوگیا اور بچے نے اسباق یاد کر لئے - ایک لڑکا جو پڑھنا سیکھ رہا ہے لفظ "فرض" کے ہجے کرتا ہے اس لفظی علامت کے مطابق کوئی خیال بچے کے ذہن میں نہیں ہے - یہاں مدّرس بے جان بیانات سے نہیں بلکہ جیتی جاگتی توضیحات اور قصے کہانیوں کی مدد سے اُس خیال کو پیدا کرتا ہے یہاں تک کہ بے جان خیال اور

علامت میں ادراکی عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔

اوپر کی دو مثالیں مدرس کے دو اہم فرائض کی توضیح کرتی ہیں جن کی مدد سے وہ پرانے خیالات کی استحضاری فعلیت کو بڑھا کر ادراک کے لئے نئے خیالات کو مہیا کرتا ہے۔

ہربرٹ اسپنسر نے انسانی زندگی کی نمایاں سرگرمیوں کی تنظیم کی کوشش اُن کی اہمیت کے لحاظ سے کی ہے اس کا بیان ہے کہ اُن کی ترتیب یوں کی جا سکتی ہے :—

(۱) وہ انسانی جد و جہد جس کا تعلق راست اور بلا واسطہ بقائے ذات سے ہے۔ (۲) وہ جد و جہد جو ضروریات زندگی کے حصول میں بالواسطہ بقائے ذات پر اثر انداز ہے۔ (۳) وہ انسانی سرگرمی جس کا مقصد اولاد کی پرورش اور تربیت ہے۔ (۴) وہ مساعی جو سماجی اور سیاسی تعلقات کے قیام میں معاون ہیں۔ (۵) وہ متفرق انسانی مساعی جن کی مدد سے انسان فرصت کے اوقات گزارتا اور اپنے ذوق اور تاثرات سے محظوظ ہوتا ہے۔

مذکورۂ بالا فقروں کا ہربارٹ کی اصطلاح میں ترجمہ کیا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ خیالات کے پانچ زبردست نظام جو مکمل انسانی زندگی کیلئے

ضروری ہیں۔ بلحاظ اہمیت اس ترتیب سے رکھے جا سکتے ہیں :—

(۱) وہ خیالات جن کا تعلق قوانین صحت سے ہے۔

(۲) وہ خیالات جن کا تعلق پیشہ سے ہے۔

(۳) وہ خیالات جن کا تعلق پرورش و تربیت اولاد سے ہے۔

(۴) وہ خیالات جن کا تعلق سماجی اور سیاسی تعلقات سے ہے۔

(۵) وہ خیالات جن کا تعلق فرصت کے اوقات گذارنے سے ہے۔

تمام و کمال اور مکمّل زندگی بسر کرنے کے لئے انسان کو چاہئیے کہ علم کے مختلف شعبوں میں خیالات سے پوری طرح آراستہ رہے۔ حقیقت بھی یہی ہے۔ ایک کامیاب زندگی کے لئے یہ ضروری اور لازمی ہے کہ علم کا کافی ذخیرہ ہو جس کو مناسب و موزوں مجموعوں اور نظام میں ترتیب دے لیا جائے۔

چونکہ قوانین صحت کو بلحاظ اہمیت پہلے رکھا گیا ہے اس سے یہ نہیں اخذ کیا جا سکتا کہ ہم کو سب سے زیادہ وقت اسی میں صرف کرنا چاہئیے۔ قوانین صحت کے متعلق ہمیں تھوڑا بہت جاننا ضروری ہے ورنہ ہم ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتے لیکن عام طور سے ملازمت اور پیشے کے خیالات ہماری شعوری زندگی کا زیادہ حصہ لے لیتے ہیں ضرورت سے زیادہ وقت اس میں بھی صرف نہ ہونا چاہئیے۔ اگر ہم ہمہ دان انسان بننے کی خواہش

رکھتے ہیں تو ہمیں کسی ایک شعبہ کے اکتساب میں بھی غفلت سے کام نہ لینا چاہئیے - جس تناسب سے ہم ایک یا زیادہ شعبوں میں غفلت برتیں گے اُسی قدر ہماری تہذیب، شائستگی اور کلچر بھی کم و بیش ناتمام وغیرہ مکمل رہے گا -

ذہنی قابلیت کا مدار جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں محض خیالات کی تعداد اور اُن کی قدر و قیمت پر نہیں ہے بلکہ اُس صورت پر بھی ہے جس پر کہ خیالات کی ترتیب دی گئی ہے - تاکہ مناسب مواقع پر ایک خیال کے ساتھ دوسرا خیال ذہن میں آجائے - ایسے دماغ جو محض واقعات اور معلومات سے پُر ہیں اور جن میں ادّراکی عمل بخوبی نہیں ہوا ہے بمنزلہ اُس مکان کے ہیں جس میں مختلف قسم کا فرنیچر باہر سے لا کر ڈھیر کر دیا گیا ہے آپ باورچی خانہ کی میز کی تلاش میں ہیں اور کوئلہ دان ہاتھ آتا ہے بلا شبہ تمام چیزیں موجود ہیں مگر یہ پتہ نہیں چلتا کہ کون چیز کہاں ہے یہی حال بے ترتیب ذہن کا ہے یعنی خیالات کی کمی تو نہیں ہوتی مگر جب ضرورت ہو خیالات ملتے نہیں -

اِس لحاظ سے یہ ضرب المثل کہ علم ایک طاقت ہے اصلاح طلب ہے وہ علم جو وقت پر یاد نہ آئے ایک بوجھ کے مانند ہے جس سے ذہنی استعداد میں اضافہ ہونے کے بجائے کمی واقع ہوتی ہے - لیکن وہ علم جسے

*9

میں نفسیاتی موقع اور محل پر کام میں لاسکوں حقیقت میں طاقت ہے۔

ایک ڈاکٹر جسے تمام زہروں کا تریاق یاد ہو عین وقت پر وہی تریاق بھول جاتا ہے، جو مریض کے لئے ضروری ہے اور لطف یہ کہ جوں ہی اُس کی موت واقع ہوتی ہے اُس تریاق کا نام اُس کے ذہن میں آجاتا ہے۔ یہ ڈاکٹر اگر اس کا دعویٰ کرے کہ اس کا علم ایک طاقت ہے تو وہ کسی طرح حق بجانب نہ ہوگا۔ دوسری مثال لیجئے ایک شخص تیرنا جانتا ہے مگر کشتی کے اُلٹ جانے پر چوکڑی بھُول جاتا ہے اس کے علم کو طاقت کہا جاسکتا ہے لیکن اس معنی میں کہ یہ ڈوب جانیکی طاقت ہے۔ ایک شخص ہمیں اس طرح مخاطب کرتا ہے کہ ہمارے احساسات مجروح ہوتے ہیں تم ہیں کہ ترُکی بہ ترُکی جواب کے لئے دماغ پر زور ڈال رہے ہیں اور جس خیال کی خواہش ہے وہ اس بانیٔ فساد شخص کے چلے جانے کے ۵ منٹ بعد یاد آتا ہے۔ ایسا علم کس مصرف کا؟ اگر کوئی مصرف ہو سکتا ہے تو یہی کہ ہم کو موقع کے کھو بیٹھنے کا ملال ہو۔ طاقت ہونے کے لئے علم کا حاضر ہونا اور اُس کا ادراک بخوبی ہونا ضروری ہے۔

ہاتھارن (Hawthorne) کی کتاب اسکارلٹ لیٹر (Scarlet Letter) میں ایک شخص ریورنڈ آرتھر ڈمسڈیل (Rev. Arthur Dimmesdale) کا ذکر ہے جو باوجودیکہ افضال

و برکات الٰہی سے محروم کیا گیا تھا تاہم اس کا نفس روحانی لحاظ سے خاص تھا ایک نازک موقع پر جو اُس کی زندگی میں اہمیت رکھتا ہے، شہوانی اور ادنی ہو اور ہوس کا غلبہ اُس پر ہوتا ہے ہاتھارن لکھتا ہے کہ "ہر قدم پر اُس شخص کو تحریص ہوتی ہے کہ کسی عجیب و غریب وحشیانہ اور مذموم حرکت میں مبتلا ہو اور وہ یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ اگر ایسا فعل اُس سے سرزد ہو جائے تو وہ بیک وقت ارادی اور غیر ارادی ہوگا" لیکن یہ مبتذل خیالات مستحکم اور مُنظّم ادراکی مواد کے مقابلہ میں برسرِ پیکار ہو کر مغلوب ہو جاتے ہیں - ورڈس ورتھ (Wordsworth) جیسا اعلیٰ اور پاک نفس انسان بھی اس قسم کی تحریص سے مُبرّا نہ تھا وہ کہتا ہے کہ "کبھی کبھی بُری خواہشات کا غلبہ مجھ پر بھی ہوتا ہے" اور کون شخص ایسا ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کا تجربہ اُس کو کبھی نہیں ہوا؟ جو کچھ خطرہ ہے وہ اس قدر ہے کہ خواہشات کا شدید حملہ ہونے سے پیشتر ممکن ہے کہ ضبط و تحمل کو انسان کھو بیٹھے - ایک پاک نفس شخص کے لئے ان مواقع پر تاخیر کا ہر لمحہ کامیابی میں مدد دیتا ہے-

اِدّراک منحصر ہے ادّراک پانے اور ادّراک دینے والے خیالات پر یعنی نئے خیال اور سابقہ ادراکی مواد پر ادّراک کا مدار ہے - اول الذکر ادّراک کو معروض اور آخر الذکر کو موضوع کہیں گے -

نئے خیال کے متعلق ہر بارٹ کے ہم نوا مندرجہ ذیل امور کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں :—

(۱) جو چیز بالکل ہی اجنبی ہو ہم کو متوجہ اور متاثر نہیں کرتی یعنی بالکل ہی نئی چیز سمجھ میں نہیں آتی -

(۲) جو چیز شئے معلوم کو یاد دلائے اُس پر توجہ مبذول ہوتی ہے -

(۳) جو ادراکات اچھی طرح معلوم ہوں اُن کا درک فوراً اور بلا کسی دِقّت کے ہو جاتا ہے -

(۴) اگر نئی چیز سابقہ تجربات کے جزءاً مطابق ہو تو اُس کا ادراک بتدریج ہوگا اور ذہنی بار کی صورت میں ہم کو اُس کا شعور بھی ہوگا ایسے ادّراک میں علم حاصل کرنا بھی شریک ہے -

(۵) حقائق کی تلاش اور غور و فکر کے نتائج پیش کرنے میں موجودہ ذہنی مشمولات کو اُن مشمولات سے جو نسبتاً جدید ہیں دو چار ہونا پڑتا ہے -

(۶) نئے ادراک کو نہ کمزور اور متزلزل ہونا چاہیئے اور نہ اس قدر زوردار اور قوی کہ سابقہ خیالات کو نکال باہر کرے -

(۷) یہ قرین مصلحت ہے کہ ادّراکی مدارج کا انکشاف نہ بہت جلد ہونے پائے اور نہ بہ دیر -

اس کے بعد جو چیز غور طلب ہے وہ ادّراک کا موضوع ہے یعنی وہ ذہنی مواد جس سے ادّراک ہوتا ہے۔ اس خصوص میں ہربارٹ کے ہمنوا مندرجہ ذیل امور کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں :—

(۱) ان خیالات کی قوت اوّلاً اُن کی شِدّت اور فعلیت پر منحصر ہے خیالات ہمارے عملی تجربہ کی مناسبت سے تُند و تیز ہوں گے۔ بخلاف اس کے کتابی معلومات کا نقش مقابلتاً اتنا گہرا نہ ہوگا۔

(۲) جن چیزوں کا ایتلاف انبساط اور الم کی یاد سے ہو، وہ قاعدے کے مطابق شعور سے بہت ہی نزدیک ہوں گے اور نیا ادراک حاصل کرنے کے لئے فوراً حاضر ہو جائیں گے۔

(۳) اگر اس کی خواہش ہو کہ ادّراک قوی اور درست ہو تو نہ صرف تُند و تیز بلکہ دور رس اور شکل پذیر خیالات کے مجموعوں کو نئے ادراک سے دوچار ہونا چاہیئے۔ اس طریقہ پر نئے ادّراک کا بطلان اتفاقی خیالات سے نہ ہوگا بلکہ سابق کا کوئی مرکب خیال اُس کو ادّراک دیگا۔

(۴) اس مرکب خیال میں احتیاط کے ساتھ تکمیل و تنظیم پانے کی کمی اور کسر باقی نہ رہنا چاہیئے۔

ادّراکی عمل میں علاوہ معروض اور موضوع کے ایک اور اہم جزو یعنی دل و دماغ کی حالت ہے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور

قابلِ لحاظ ہیں :—

(۱) ایسی نفسی حالت جو نئے ادراک سے بہت دور ہو مناسب مجموعوں کے اُبھرنے میں جو نئے ادراک کو قبول کرتے ہیں مانع ہو گی۔ الجبرا کے مسئلہ ثنائی پر حاوی ہونے کی کوشش ایسے وقت نہ کرو جب کہ تمہیں یہ معلوم ہوا ہو کہ کسی شخص نے تمہارے لئے بڑی جائداد چھوڑی ہے جو شخص داڑھ کے درد میں مبتلا ہو اُسے یہ باور کرانے کی کوشش نہ کرو کہ تکلیف محض حواس کا دھوکہ اور فریب ہے مختصر یہ کہ ادراک کے لئے مناسب اور موزوں میلان کی ضرورت ہے۔

(۲) انتظار کی حالت سے ادراک میں مدد ملتی ہے ایک صاحب خانہ جو اپنے شوہر کی منتظر ہے پاؤں کی آہٹ زیادہ جلد سننگی بمقابلہ اپنی ہمسایہ سہیلی کے جو اس غرض سے ملاقات کرنے آئی ہے کہ اپنی نئی ٹوپی کے متعلق گفتگو کرے۔

(۳) قوتِ ارادہ نئے ادراک کو مضبوطی کے ساتھ شعور میں قائم رکھے۔

(۴) رسم ورواج ، رجحان ، خواہش جذبہ اور کاہلی ایسی چیزیں ہیں جو انسان کی راہ میں نئے حقایق کے حصول اور اُن کے قبول کرنے میں مانع ہوتی ہیں۔

(۵) ادّراک حاصل کرنے میں سمجھ کی کمی اکثر نیک ارادہ کی کمی اور عصبیت پر محمول کی جاتی ہے -

(٦) علالت کمزوری، تکان اور حقیقت یہ کہ وہ تمام جسمانی حالات جو اعصاب کے لئے مُضر ہوں سب کے سب ادّراک میں مانع ہوتے ہیں -

یہاں ہم مختصراً ادّراک کے اُن خدمات کا ذکر کرینگے جو نفس کے لئے وہ انجام دیتا ہے -

(۱) ادّراک سے نئے خیالات کا حصول آسان ہو جاتا ہے اگر ادّراک کا وجود ہی نہ ہوتا تو ہمارے گرد و پیش کی پرتنوع اور بدلنے والی چیزیں ہمیشہ کے لئے ہمیں نئی اور عجیب و غریب معلوم ہوتیں اور ہماری قوت صغیرسن بچوں کی طرح محض حواس کے ذریعہ اشیائے گرد و پیش کے نقوش حاصل کرنے میں صرف ہو جاتی - مثلاً اگر ادّراک نہ ہو تو پڑھنے اور سننے میں ہم مجبور ہو جائیں گے کہ ہر ایک لفظ پر متوجہ ہوں، بخلاف اس کے اب ہم اِدھر اُدھر کا ایک لفظ نوٹ کر کے مفہوم کی تکمیل اپنے سابقہ ادّراکی مواد کے ذریعہ کر لیتے ہیں -

(۲) جو ارتسامات ہم حواس سے حاصل کرتے ہیں اُن کی خلفشار بے ترتیبی ادّراک کی مدد سے دور ہوتی ہے -

(۳) ادّراک کی قدر و قیمت اس وجہ سے بھی زیادہ ہے کہ وہ نئے معلومات کو سابقہ معلومات سے اور غیر معلوم کو معلوم سے، وابستہ کرتا ہے نہ صرف یہی. بلکہ وہ مشکل اور غیر مانوس شئے کو مانوس اور آسان بناتا ہے۔ ادّراک کے اس عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ انسانی قوت کا بڑا محافظ ہے۔

(۴) آلاتِ حِس کی صلاحیت اور قابلیت کو اس طرح ترقی دیتا ہے کہ درک زیادہ صحت اور باقاعدگی کے ساتھ ہونے لگتا ہے مثلاً ایک ماہرِ علمِ نباتات پودوں کا مشاہدہ فلکیات کے ماہر سے بہتر کر سکتا ہے کیونکہ اول الذکر کے علم نباتات میں ادّراکی مواد بہتر ہوگا۔

(۵) یہ نہ صرف نئے ارتسامات کے لینے میں کارآمد ہے. بلکہ سابقہ ارتسامات کی تنظیم میں بھی معاون ہے جستہ جستہ خیالات کو سابقہ مواد سے منسلک کرتا اور نئے خیالات کو مناسب اور موزوں جگہ دیتا ہے نہ صرف یہی. بلکہ خیالات کو زیادہ روشن اور مکمّل بناتے ہوئے شعور میں زیادہ معیّن کر دیتا ہے۔

(۶) وہ حافظہ کا بہترین معاون و مددگار ہے۔

(۷) وہ مختلف ادراکات کو ایک تصور میں مجمل کر کے اور مختلف

تصورات کو ایک اصول یا عام خیال کے تحت لاکر ہمارے احساس علم اور ارادہ میں ترتیب پیدا کر دیتا ہے۔

(۸) اسی کی مدد سے ایک مرکب خیال مختلف اصول کے نظام سے بنتا ہے اور جب اس مرکب کی قدر و قیمت ہمارے احساسات کے لئے زیادہ ہو جاتی ہے تو ادراک کو خاص تقویت حاصل ہوتی ہے اور وہ قوت ارادہ کے لئے دست و بازو اور چشم و چراغ کا کام دیتا ہے۔

(۹) آخر میں لینگ (Lange) کا بیان ہے کہ "جب مرکب خیال مکمل ہو جاتا ہے تو بجائے نفسی حکمرانی کے جو وہم پر مبنی ہوتی ہے اعلیٰ اصول و قوانین کے شہنشاہی اقتدار و ضوابط قائم ہو جاتے ہیں اور ان میں روانی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی چیزیں انسان کی شخصیت کا اصل جوہر ہیں ادراک ہی کی مدد سے ہم نفسی غلامی سے اُبھر کر ذہنی اور اخلاقی آزادی کے منتہائے کمال کو پہنچتے ہیں جب مکمل اور اعلیٰ طریقے ادراک کے ساتھ ہمارے علم۔ خیال۔ احساس اور ارادے کے میدان میں جولانی دکھلاتے ہیں اور جب وہ نفسی کل پُرزوں کو قوانین کی نعمت بخشتے ہیں تو حقیقی تہذیب و شائستگی انسان کو حاصل ہو جاتی ہے۔

اس مشکل اور طویل باب کا خاتمہ ہم لیسنگ (Lessing) کے ان

الہامی الفاظ پر بجا طور سے کر سکتے ہیں کہ "ناگہانی اور اتفاقی واقعات پر ہنرمندی سے غالب آنا اور کلی حقائق پر پہنچ جانا ہی حقیقت میں انسان کو ایک بڑا شخص اور میدان صداقت کا اصلی ہیرو اور علم و ہنر کا موجد بناتا ہے۔"

گیارھواں باب

تربیت (ٹریننگ)

عضلاتِ جسمانی کو غذا ملنی چاہیئے اور اگر یہ مقصود ہو کہ وہ مضبوط اور قوی ہوں تو اُن کی تربیت بھی ہونی چاہیئے اگر ہمارا مدعا ہے کہ ہمارے بازو قوی اور مضبوط ہوں تو ان عضلات کی بھی ورزش ہونی چاہیئے اسی طرح ہماری یہ خواہش ہو کہ ہمارے پاؤں مضبوط ہوں تو ہمیں چاہیئے کہ پاؤں کے عضلات کی بھی ورزش کریں۔ سوال صرف انفرادی عضلات کا ہے ان میں سے کسی ایک کو بھی قوی اور مضبوط بنانا ہو تو اُس کی ورزش ضروری ہے۔

علمائے نفسیات جو قوّتِ ذہنی کے نظریہ کے مؤید ہیں یہ کہتے ہیں کہ ذہن کی حفاظت کا مسئلہ جسم کی حفاظت کے مسئلہ سے مشابہہ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ بجائے انفرادی عضلات کے ذہن میں انفرادی قویٰ موجود ہیں اگر قوّتِ استدلال کو قوی بنانا مقصود ہو تو اُس کو تربیت دینی چاہیئے اگر ہماری یہ خواہش ہو کہ ہمارا تخیل یا حافظہ قوی ہو تو ہم کو چاہیئے کہ ہم اپنے تخیل یا حافظہ کی قوّت کو تربیت دیں وہو ہذا جس طرح جسم کو غذا پہنچانا اُس کی ورزش سے بالکل جداگانہ چیز ہے اسی طرح ذہن

کی تربیت اُس کو غذا پہنچانے یعنی اُس کے لئے نئے خیالات مہیا کرنے سے مختلف ہے۔ پس ذہنی تربیت کے لئے یہ امر قابل لحاظ نہیں کہ ہم کس قسم کے معلومات مہیا کر رہے ہیں جو چیز اہم ہے وہ یہ نہیں ہے کہ کیا سکھایا جا رہا ہے بلکہ یہ کہ کس طرح سکھایا جا رہا ہے۔ یہ ہے اُن حضرات کا عقیدہ جو صوری تعلیم۔ صوری تربیت اور صوری کلچر کے دلدادہ ہیں۔

ہربارٹ کے پیرو دماغی قوتوں کے وجود کے قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ذہن و جسم میں جو مماثلت قائم کی گئی ہے وہ درست نہیں اور جب کہ دماغی قوتوں کا وجود ہی نہیں ہے تو اُن کی تربیت کیسے ہو سکتی ہے اُن کا یہ استدلال ہے کہ بلا لحاظ اُس مواد کے جس پر ذہن عمل کرتا ہے ذہنی تربیت ممکن نہیں۔

اگر موضوع تعلیم قابل لحاظ نہیں ہے (جیسا کہ ان تعلیم صوری کے مؤیدین کا خیال ہے) تو پھر کیوں موجودہ مضامین سے زیادہ دلفریب مضامین کا انتخاب نہیں کیا جاتا۔ ریاضی اور شطرنج کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہر دو میں ایک ہی قسم کی دماغی قوتیں استعمال میں آتی ہیں بعض لڑکے شطرنج کو پسند کرتے ہیں اور ریاضی سے متنفر ہیں۔ پھر کیوں نہ ایسے لڑکوں کو بجائے ریاضی کے شطرنج کی مشق کرائی جائے یا اگر ذہنی تربیت میں نفسِ مضمون کی کوئی اہمیت نہیں ہے تو بچوں کو

جرائم کی کیوں نہ تعلیم دی جائے؟ اس بارے میں پروفیسر آڈمس کا خیال ہے کہ کسی باغ میں گھس کر میوہ چرانے میں لڑکوں کے قوائے ذہنی جس طرح کام میں آتے ہیں اس طرح شاید ہی کسی اور شغل میں کام آتے ہوں اس بُرے کام کے ارتکاب میں لڑکوں کے تقریباً جملہ صفات حسنہ کی تربیت ہوتی ہے اس کام کا خاکہ تیار کرتے وقت انہیں بڑی پیش بندی تدبیر اور احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ صحیح وقت کا انتخاب اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ احتیاط کے ساتھ مشاہدہ کیا جائے۔ دانشمندی سے سیرت کی جانچ کی جائے اور عقلمندی سے امکانات کا اندازہ لگایا جائے۔ اپنے پر قابو رکھنے کی سخت ضرورت ہے درخت پر چڑھ کر میوہ توڑنا اُسی وقت ممکن ہے جب کہ مقصد کو پیش نظر رکھ کر ٹھیک ٹھیک اور مناسب ذرائع اختیار کئے گئے ہوں۔ وہ تمام نتائج جو تعلیم درسی و اخلاقی سے پیدا ہونے چاہئیں یہاں حاصل ہو سکتے ہیں۔ کسی استاد کی ضرورت نہیں اور لڑکے لطف بھی اٹھاتے ہیں۔ پھر کیوں ذہنی مشق کے اغراض کے لئے سیب چرانا اور ریاضیات اور زبان لاطینی سیکھنا دونوں مساوی نہ تصور کئے جائیں؟ حقیقت یہ ہے کہ تربیت کا موضوع نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کو بہت کچھ اہمیت حاصل ہے ہم جرائم کو اپنے نصاب سے اس لئے خارج نہیں کرتے کہ اس سے ذہنی تربیت کا امکان نہیں ہے۔ بلکہ اس

لئے کہ اس سے نامناسب اور غلط قسم کی ذہنی تربیت کا موقع ملتا ہے۔

ایسی درسگاہیں بھی موجود ہیں جہاں جرائم کی خاص طور پر تعلیم دی جاتی ہے۔ ڈکینس (Dickens) نے اپنے ناول آلیور ٹوسٹ (Oliver Twist) میں اس قسم کی ایک درسگاہ کی تصویر کھینچی ہے۔ بانیان و کارپردازان درسگاہ نے اگرچہ معلمی پر کوئی کتاب نہیں پڑھی لیکن وہ بالکل معلمی کے اصول پر کاربند ہیں۔ اگر اُن سے آپ کہیں کہ وہ ہربارٹ کے پیرو ہیں تو وہ یہ سمجھیں گے بھی نہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں حالانکہ وہ ہربارٹ کے اصول پر عمل کرتے ہیں جب کوئی لڑکا اُن کے ہاتھ لگ جاتا ہے تو اُن کا پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اُس کے ذہن میں ارتکاب جرائم سے متعلق ادراکی مواد پیدا کریں۔ اپنے شاگردوں کو ازراں مخرب اخلاق کتابیں جو اس مضمون سے متعلق ہوں پڑھنے کے لئے دیتے ہیں یہ کتابیں جن میں ہیرو کو اپنے جرم میں ہمیشہ کامیابی ہوتی ہے نہایت موزوں درسی کتابیں ثابت ہوتی ہیں کیونکہ ان کو پڑھ کر اُن کے شاگرد ارتکاب جرم کو عالی حوصلگی' دلیری' جرأت' تفنن اور خوش انجام زندگی سے منسوب کرتے ہیں اس دلکش مواد کے ساتھ جو مطالعہ کے لئے فراہم کیا جاتا ہے زبانی اسباق کا نظام نہایت احتیاط سے تیار کیا جاتا ہے اور اوران میں مجرمانہ زندگی کی محض چمک دمک بتائی جاتی ہے اور اس کے

تاریک پہلو کے متعلق کچھ نہیں کہا جاتا۔ ساری تعلیم عینی ہوتی ہے اور جو مثالیں شاگردوں کے سامنے بطور تفہیم پیش کی جاتی ہیں اُن میں سے وہ اپنے نزدیک عام خیالات اور ادّراکی مواد قائم کرتا ہے اور ان ہی کو پیش نظر رکھکر وہ اپنے اور دوسروں کے افعال کی اچھائی اور برائی کا اندازہ کرتا ہے۔ اس کے خیالات میں اب تاثّر کی لہر پیدا ہو جاتی ہے اکثر خیالات میں تاثّر ہوتا ہے اور کسی خیال کی بڑی صفت یہ ہے کہ اس میں مذکورۂ بالا طریقہ پر تاثّر پیدا ہو جائے۔ تاثّر سے خواہش اور خواہش سے ارادہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ بقول ہربارٹ کے ارادہ کی بنیاد خیالات ہیں۔

جرائم کی درسگاہ میں اب شاگرد عمل کے لیئے بالکل تیار ہو جاتا ہے اور بہ رضا و رغبت اپنے اساتذہ کی ہدایت کے بموجب عمل پیرا ہوتا ہے پس اساتذہ کا یہ فریضہ ہوتا ہے کہ اُس کو کام پر لگائیں۔ رکاوٹوں کو دور کریں مواقع بہم پہنچائیں اور ایسا انتظام کریں کہ جو کام اس کے سپرد کیا جائے وہ پہلے آسان ہو اور بتدریج آسان سے مشکل کی طرف رجوع کیا جائے۔ جب ایسے طالب علم کی تعلیم ختم ہو جاتی ہے وہ ایک باکمال ہستی بن جاتا ہے اس میں تیزی، پھرتی، مستعدی اور مہارت پیدا ہو جاتی ہے اور اُس کی قوت مشاہدہ بھی ترقی یافتہ ہو جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ اس میں ایک بڑی خامی رہ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس کام کی اس کو تربیت

دی گئی ہے (یعنی ارتکاب جرم) اس کے سوائے اُس سے اور کوئی کام لیا جائے تو اُس کی کارکردگی اور مہارت غائب ہو جاتی ہے - ایسے لڑکے کو زراعت کے کام پر لگاؤ تو اس میں بیکار ثابت ہوگا - انسان جو غور و فکر استدلال اور نیک و بد کی تمیز کرتا ہے وہ ان قوی کی بدولت نہیں ہے جو فطری قویٰ سے موسوم کیے جاتے ہیں بلکہ اس کا انحصار واقفیت کار پر ہوتا ہے - محض یہ کہدینا کہ فلاں شخص بہت ہوشیار ہے عموماً صحیح نہیں ہوتا بلکہ ہم کو یہ کہنا چاہیئے کہ وہ فلاں کام میں ہوشیار ہے - ہر انسان اُن امور میں ہوشیار ہوتا ہے جن کے متعلق اُس کے ادراکی مواد کی خوب نشوونما ہوئی ہو - جن اُمور میں اُس کا ادراکی مواد تربیت یافتہ نہیں ہے اُن میں اکثر وہ نااہل ثابت ہوتا ہے -

پروفیسر آڈمس کہتے ہیں کہ "ہر فرد بشر کی دنیا اور مافیہا مخصوص اور جداگانہ ہے جس کا مرکز وہ خود بنا ہوا ہے - ایسے تمام معاملات جن سے اُس کو دلچسپی ہوتی ہے اُس مرکز کے اطراف جمع ہوتے ہیں اور اُن کے درمیان اس کا ذہن آزادی اور تیزی سے کام کرتا ہے - مرکز سے کوئی چیز جس قدر دور ہوگی اُسی قدر کم آزادی کے ساتھ اُس کا ذہن کام کریگا - یہاں تک کہ اُسکی کائنات کے آخری حصہ پر پہنچکر ذہن کی رسائی ایک ایسے لامتناہی مقام پر ہو جاتی ہے جس سے وہ تقریباً ناواقف ہے" -

جس طرح یونیورسٹی کا ایک پروفیسر یونانی ادب کو سمجھتا ہے اسی طرح ایک زراعت پیشہ مزدور شلجم کی تمیز کرسکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پروفیسر مذکور کا تعلق علم کے ایسے شعبہ سے ہے جو اعلیٰ سمجھا جاتا ہے لیکن کسی ایسے مضمون کے متعلق جس سے وہ بالکل واقف نہیں اس کی رائے کو مزدور کی رائے سے زیادہ وقعت حاصل نہیں ہے۔

جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ نپولین نے لاپ لاس (Laplace) کو اس کی نااہلیت کی بناء پر خدمت سے علیحدہ کردیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جب کسی بڑے سے بڑے آدمی کا امتحان اس کے ادراکی مواد کو نظر انداز کر کے کیا جاتا ہے تو وہ اوسط سے بھی گرا ہوا نکلتا ہے وہ کون ہے جو ایسے اشخاص کو نہیں جانتا جو اپنے خاص اور مرغوبِ خاطر مضمون کے سوائے جس میں اُن کا ادراکی مواد خاص طور پر تربیت یافتہ ہوتا ہے دوسری باتوں میں غبی ہوتے ہیں۔ گولڈ اسمتھ (Goldsmith) جیسے شخص کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ لکھتا فرشتہ کی طرح تھا مگر طوطے کی طرح بولتا تھا۔

عادت کو کتنی ہی تربیت کیوں نہ دی جائے وہ سب کاموں پر حاوی نہیں ہوسکتی۔ ہر ایک ذہنی فعل کی ترقی محدود ہوتی ہے اور جس مضمون پر اس فعل کا استعمال ہوتا ہے وہ اس کی ترقی کی حد کو مقرر کرتا ہے۔ یہ کہا

جاتا ہے کہ صرف و نحو کے مضمون سے ذہن کو سوچنے کی تربیت ہوتی ہے یہ صحیح ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف و نحو کے متعلق سوچنے کی تربیت ہوتی ہے نہ کہ نجاری - طب - انجنیرنگ یا علم ہیئت کے متعلق - ریاضی میں سخت محنت کرنے سے کسی کام کو صحیح صحیح اور ٹھیک کرنے کی عادت ہوگی لیکن اعداد میں نہ کہ ارضیات یا کفش سازی میں - ایک عالم کیمیا جس نے اس علم میں مشاہدہ کی عادت کو اعلیٰ درجہ پر پہنچایا ہو جب وہ کسی پارچہ فروش کی دوکان میں داخل ہوتا ہے تو وہ اپنی عادت سے کام لے کر کپڑے کی پرکھ نہیں کرتا - اسی طرح گو لاطینی زبان کے حصول سے ان عادتوں کو ترقی ہوتی ہے جو بہت سی زبانوں کے جاننے والے کے لئے ضروری ہے لیکن ایک محاسب کے لئے لاطینی سے واقفیت کس کام کی؟ اس میں شک نہیں کہ لاطینی کا علم اُس کے مشاغل اور دلچسپیوں میں اضافہ کرے گا لیکن محاسبی کے کام میں بہتر طریقہ پر سوچنے میں وہ اس کی کسی قسم سے مدد نہیں کر سکتا یہ کام اُس ادراکی مواد کا ہے جو محاسبی سے متعلق ہے -

ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ عادت کی تعمیر اس طرح نہیں ہوتی کہ وہ سب کاموں پر حاوی ہو جائے بلکہ کسی ایک بات کی عادت ڈالی جاتی ہے یہ صحیح ہے لیکن ایک لحاظ سے عادت عام ہو سکتی ہے اور وہ اس طرح کہ

اُس کو کسی اصول یا تصوّر کا تابع بنایا جائے - یہ ضروری نہیں ہے کہ جن اشخاص کی تحریر پاکیزہ ہے اُن کا لباس بھی پاکیزہ ہو- جو اشخاص اپنے کاروبار میں ہمیشہ وقت کی پابندی کرتے ہیں یہ لازمی نہیں ہے کہ وہ گرجے کو بھی ہمیشہ وقت پر پہنچیں - ایک سزا یافتہ چور "چھ ماہ کی قید بامشقت" کے زمانے میں اگر مطیع اور فرمانبردار رہتا ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ قید سے رہائی کے بعد بھی اطاعت گزار رہے (کسی خاص عادت کو ہم عام اُسی وقت بنا سکتے ہیں جبکہ ہم ہر موقع پر فرائض کی اہمیت اور واجبیت کو تسلیم کریں)- ایک مثال کو لے کر دوسرے الفاظ میں اس حقیقت کو یوں ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ ہم نفاست کا لحاظ کرنا صرف لکھنے ہی کی حد تک اپنا فرض تصور نہ کریں بلکہ اُس کو ہم ایک زیادہ وسیع ادّرا کی مواد یعنی عام فرض کا ایک جزو سمجھیں -

عادت کس طرح بنتی ہے اس مسئلہ پر پروفیسر میکن (MacCunn) اپنی کتاب "سیرت سازی" (The Making of Character) میں کہتے ہیں کہ "وہ بیرونی اور خارجی کام جو جبر کے ساتھ آسانی سے کرائے جا سکتے ہیں ان سے وہ عادتیں پیدا نہیں ہوتیں جو عمدہ صفات میں داخل ہیں - نفسی کیفیتوں کی تکرار سے اخلاقی عادتوں کی بنیاد پڑتی ہے - اگر نفسی کیفیتوں کو یا اُن مساعی کو جو خواہش کی بدولت ظہور میں آتی ہیں تحریک

نہ دی جائے تو اخلاقی عادت کی تعمیر نہیں ہو گی خواہ جسمانی لحاظ سے ہم اپنے اعضاء کو سرگرم رکھنے میں کتنے ہی کامیاب کیوں نہ ہوں۔ اس کے علاوہ تاوقتیکہ عادتوں کے ساتھ بصیرت نہ ہو اخلاقی نقطۂ نظر سے وہ ناقص رہیں گی"۔

تاہم ایک حد تک یہ امر قابل تسلیم ہے کہ کسی قسم کی ذہنی ریاضت سے پورے ذہن کی نشوونما ہوتی ہے۔ جس طرح ایک شخص اپنے بازو کی ورزش سے اپنے جسم کے پورے ڈھانچے پر اثر ڈالتا ہے اسی طرح اگر ہم کسی خاص ذہنی قوت سے کام لیں تو بالواسطہ ہماری پوری ذہنی تنظیم متاثر ہو گی۔ ایک کسان اپنے فرصت کے اوقات میں انجیل کو سمجھکر پڑھنے کے بعد اپنے کام کے متعلق جس خوبی کے ساتھ غور و فکر کر سکتا ہے ویسی غور و فکر کرنا اس کے لئے ممکن نہیں اگر وہ اپنے فرصت کے اوقات کو ضائع کرے۔

ان صورتوں میں بھی اگر کسی خاص ہنر کے حصول کی ضرورت ہو تو اس کے لحاظ سے خاص قسم کی تربیت کو اختیار کرنا پڑے گا۔ اور جب ایسی خاص قسم کی تربیت اختیار کی جاتی ہے تو عموماً اس میں حدِ اعتدال سے متجاوز ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ بازو کے عضلات کو نشوونما دینا اور جسم کے دوسرے حصوں کے عضلات سے غفلت برتنا دانشمندی نہیں ہے۔ اسی طرح

کسی خاص ذہنی قوّت کو ترقی دینا اور اُس کے ساتھ علم کے دوسرے شعبوں میں ادرّاکی مواد کی تعمیر سے بالکل غافل رہنا عقلمندی سے بعید ہے کسی طبیب یا وکیل یا غلّہ فروش کو نہیں چاہیئے کہ وہ اپنی توجہ کو اپنے خاص پیشہ یا تجارت تک ہی محدود رکھے۔ بلکہ اُس کو چاہیئے کہ دوسرے مضامین میں بھی دلچسپی لے تا کہ وہ اُس کے ذہن کی اصلاح کرسکیں۔ کارلائیل (Carlyle) کے لیۓ سنسنی پیدا کرنے والے قصوں کا مطالعہ اور ولیم ایورٹ گلاڈسٹن (William Ewart Gladstone) کے لیۓ درختوں کا کاٹنا، پوسٹ کارڈ لکھنا اور حبشیوں کی نقل کرنے والوں کا رقص دیکھنا اور گانا سننا مصلح کا کام دیتا تھا۔ ہربرٹ اسپنسر بلیرڈز کا شیدا تھا اور ڈارون کو ہمیشہ اس امر کا افسوس رہا کہ اُس کو کوئی ایسا مصلح میسر نہیں آیا۔ لیکن ہمارا مطمح نظر محض یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ سب علوم سے تھوڑا بہت واقف ہو جائیں۔ بلکہ اس کے ساتھ کسی خاص علم میں ماہر بھی ہونا ضروری ہے۔

اب ہم غور و تامل سے کام لیں گے اور صوری تربیت (جو درس دینے سے مختلف ہے) کے لحاظ سے اپنے نتائج کو جانچیں گے۔ ذہن کو بغیر کسی شۓ کے تربیت نہیں دی جاسکتی۔ یہ ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی موضوع ہو جس پر ذہن عمل کرسکے۔ فرض کیجیۓ کہ ہم نے گھڑی سازی کے موضوع کا

انتخاب کیا۔ ہربارٹ کے پیرو کہتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ کسی شخص میں باریک بینی، صحتِ اور مشاہدہ کی صفات عام طور پر پیدا کیئے بغیر ہم اُس کو ایسی تربیت دے سکیں کہ صرف گھڑی سازی کی حدتک اُس میں یہ صفات موجود ہوں۔ جب تک کہ اس کو اُس ادراکی مواد سے دو چار ہونا پڑے جو گھڑی سازی کے خیال کے گرد و پیش جمع رہتا ہے یہ عمدہ صفات نمایاں ہوتے ہیں کیونکہ وہ گھڑی سازی کے ادراکی مواد کا جزو ہیں۔ لیکن کیا تجربہ یہ نہیں بتاتا کہ ایک شخص جو گھڑی سازی میں صحت کا بدرجہ اتم لحاظ رکھتا، چھوٹی چھوٹی بات کو دیکھتا اور اُن کا خیال رکھتا ہے ممکن ہے کہ وہ اپنے مکان کی دیواروں پر تصویروں کو بے ترتیبی سے لٹکائے، روپیہ پیسے کے معاملہ میں لاپرواہو اور اُس کا مشاہدہ ایسا کمزور ہو کہ وہ یہ نہ بتاسکے کہ اس کی بیوی کس قسم کی ساڑی پہنے ہوئے ہے۔ اس میں شک نہیں کہ عمدہ عادتوں کی تعمیر میں اُس کو کامیابی ہوتی ہے لیکن اپنے فن کے باہر وہ ان عادتوں سے کام نہیں لے سکتا۔

ایک اور صفت یعنی اطاعت کی مثال لیجیئے۔ کسی لڑکے کو مدرسہ میں، قیدی کو قیدخانے میں، ملاّح کو جہاز پر اور سپاہی کو رجمنٹ میں مطیع اور فرمانبردار رہنے کی تربیت دی جاسکتی ہے لیکن اس کا کیا اطمینان ہے کہ لڑکا مدرسہ کے باہر، قیدی جیل کے باہر اور ملاّح اور سپاہی

علیٰ الترتیب جہاز اور رجمنٹ کے سوائے کسی دوسرے مقام پر بھی مطیع رہینگے؟ اس ادّراکی مواد سے قطع نظر، جس کی اطاعت ایک جزو ہے اُس میں یا تو کوئی طاقت ہوتی ہی نہیں یا ہوتی بھی ہے تو بہت کم۔ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہو کہ انسانی زندگی میں مختلف قسم کے جو مواقع پیش آتے ہیں ان سب موقعوں پر یہ خیال یعنی اطاعت ایک قوت بنے تو اُس کو چاہئیے کہ مدرسہ، قیدخانے، جہاز اور فوج کے خیالات کے علیحدہ علیحدہ ادّراکی مواد سے اس کا ربط پیدا کرنے کے بجائے اُس کو ایک ایسا عام اور وسیع اصول خیال کرے جو سب میں مشترک ہو بلکہ اُس کو یہ سمجھنا چاہئیے کہ یہ ایک ایسے مرکزی مواد کا جزو ہے جو سارے ذہنی مشمولات سے گہرا تعلّق رکھتا ہے۔

یہ مرکزی ڈھانچہ کیا ہے؟ یہ ایغو کا مواد ہے جس کے بغیر ذہن میں ایسا شعور پیدا نہیں ہوگا جس میں عضوی وحدت کی صفت ہو۔ ایغو یا مرکزی ذات کے خیال کے گرد متعدد خیالات جمع رہتے ہیں۔ جن صفات سے ایغو کا مواد بنتا ہے اُن کی نوعیت پر انسان کی عام سیرت کا انحصار ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ہم خوش طبعی اور شرافت کے خیالات کو اس مواد کے اجزاء تصور کرسکیں جو ادائے فرائض کے خیال کے گرد جمع ہیں اور ادائے فرائض کو ایغو کے مواد کا جزو تصور کرسکیں تو ایسی حالت میں ہمارے لئے

یہ ممکن ہوگا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں خوش طبعی اور شرافت سے پیش آئیں اخلاقی تعلیم کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ ایغو کے مواد کو تعمیر کرے۔

ایغو کا مواد کس قسم کا تعمیر کیا جائے۔ یہ سوال اخلاقیات سے متعلق ہے اور اس معاملہ میں علماء میں اختلاف رائے ہے۔ رابرٹ لوئی اسٹیونسن (Robert Louis Stevenson) کا ایک فقرہ جس کو پڑھ کر بہت سے اساتذہ اور واعظین نے اپنے کان کھڑا کرلئے یہ ہے کہ "خوش طبعی اور شرافت اخلاق پر مقدم اور سب سے اولیٰ صفات ہیں" ایک دوسری جگہ وہ کہتا ہے کہ "زندگی کا مدار دس حصوں میں سے نو حصہ توازن طبع قائم رکھنے پر ہے" رسکن (Ruskin) شرافت اور انصاف پسندی کو مقدم سمجھتا ہے اور کارلائیل طاقت اور محنت پر زور دیتا ہے۔ میتھو آرنلڈ (Mathew Arnold) توازن طبع۔ باقاعدگی اور تحمل کی صفات کو سب سے بڑا مرتبہ دیتا ہے۔ عبرانیوں نے تمام انسانی فرض کو "احکام عشرہ" میں اجمالاً جمع کیا ہے۔ اور سینٹ پال (St. Paul) نے عمدہ صفات کی جو فہرست دی ہے وہ محبت۔ مسرت۔ صلح۔ طویل رنج والم برداشت کرنا۔ شرافت۔ نیکی۔ حلم۔ وفاداری۔ اعتدال۔ خوش اعتقادی اور امید پر مشتمل ہے اور بتلایا ہے کہ ان صفات کی تہ میں محبت ہی کام کرتی اور

ان میں روح پھونکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اغراضِ تربیت کے لئے ہم کونسے مضامین پڑھیں؟ ہر ایک مضمون کے خواہ وہ کچھ ہی ہو دو پہلو ہوتے ہیں۔

(۱) جس مواد کا مطالعہ کیا جاتا ہے اُس کی قدر و قیمت اور اُس سے جو معلومات حاصل ہوتے ہیں اُن کا افادہ۔ اور

(۲) اس مطالعہ سے جو تربیت حاصل ہوتی ہے اُس کی قدر و قیمت۔ ہربرٹ اسپنسر کی رائے ہے کہ جو مضامین ضروری معلومات بہم پہنچاتے ہیں وہ ذہنی تربیت کے لئے بھی سب سے زیادہ موزوں ہیں اور ہم کو چاہیئے کہ وسیع مطالعہ کریں۔ گہرا اور وسیع مطالعہ ذہنی ترقی کا معیار ہے ہماری دلچسپیوں کا میدان جس قدر وسیع ہوگا اور جس قدر گہری دلچسپی ہم لینگے اُسی قدر ہمارا ذہن ترقی کرے گا۔ مسٹر واچل (Vachell) کے ناول "آب جارڈن" ("The Waters of Jordan.") میں اچھی تربیت کے نتائج بڑی خوبی سے بیان کئے گئے ہیں۔ جاے وینیبل (Joy Vennable) کو شادی کے لئے آمادہ کرنے کے لئے ڈاکٹر ٹسڈیل (Dr. Tisdale) کو جھوٹ بولنے کی ترغیب ہوتی ہے لیکن "معاً اُس کے ذہن میں ایسے خیالات کا شدّت کے ساتھ ہجوم ہوتا ہے جن کی مدد سے وہ اپنے تئیں جھوٹ بولنے سے روکتا ہے یعنی نفس کُشی اور ایثار کے

بے شمار اور چھوٹے چھوٹے واقعات - وہ سختیاں جو اُس نے جھیلی ہیں وہ طویل ساعتیں جو مخلوق کی خدمت میں اُس نے صرف کی ہیں اور وہ عمدہ خیالات اور بلند ارادے جن سے اُس کے ذہن کی پرورش ہوئی ہے یہ اور ایسے سینکڑوں واقعات اُس کے ذہن میں آتے ہیں اور اُسے جھوٹ بولنے سے باز رکھتے ہیں"۔

بارھواں باب

مشاہدہ

مشاہدہ کی عادت عام طور پر ہر دلعزیزی حاصل کیے ہوئے ہے۔ یعنی اکثر اشخاص کو اس بات کا شوق ہے کہ مشاہدہ کی عادت ڈالنے کی سفارش دوسروں سے کریں۔ ادبی دنیا سینڈفورڈ اینڈ مرٹن ("Sandford and Merton") کی کتابوں اور آئیز اینڈ نو آئیز ("Eyes and No Eyes") کے سلسلوں سے بھری پڑی ہے۔ جن میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ ہم دنیا میں اسطرح زندگی بسر کریں کہ ہمارا نفس شعوری حالت میں دنیا کی ہزاروں دل آویزیوں پر جو ہمیں مائل کرنے کیلئے بے چین ہیں اپنا عمل کرتا رہے۔ جب ہم کسی گاؤں میں سیر کیلئے نکل جائیں تو ہمیں ہوا، ابر، باڑھ کی قطاریں اور کھیت، چرند و پرند، پودے، درخت، پہاڑ، وادی، زمین کی قسم، طبقہ تحتی اور چٹانوں کا مشاہدہ کرنا چاہیئے۔ نیز ہمیں ہل سے اُلٹی ہوئی مٹی کی خوشبو، پھولوں کی مہک، تازہ کٹی ہوئی گھاس کی بو باس کا بھی اندازہ کرنا چاہیئے۔ صوتیات کو بھی ہم نظرانداز نہیں کرسکتے۔ پرندوں کا چہچہانا، بھڑوں کی بھین بھین، چوپایوں کی آواز اور کتّوں کا بھونکنا وغیرہ۔ غرض کہ یہ فہرست جیبی نعت کی فہرست سے کچھ کم طویل نہیں ہے۔ اسی طرح جب

کسی شہر میں ہم نکل جائیں تو ہم کو عورت، مرد، گھوڑے، گاڑی یکے، قسم قسم کی موٹریں، پیدل چلنے کے راستہ کی وضع، مٹھائی کی دوکان کی رنگا رنگ بوتلیں، پولیس کی وردی کے بٹن اور لندن کے مشہور پل لندن برج سے گزرنے والے سفید گھوڑوں کی تعداد وغیرہ - غرض کہ ایسی بہت سی چیزیں قابل مشاہدہ ملینگی - بالفاظِ دیگر جن امور سے ہمیں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے اور جن کے متعلق معلومات کا جمع اور حاصل کرنا محنت سے خالی نہیں اُن کے متعلق ہمیں اپنے حواس کو کام میں لا کر متفرق قسم کے خیالات کو ذہن میں محفوظ کر لینا چاہیئے ۔

رچرڈ جفریز دیہی زندگی کے مُبصّر کی حیثیت سے صفِ اول میں تسلیم کیا جاتا ہے - یہاں اُس کے زورِ قلم کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے " کہیں کہیں اب جو کروندے اور رمنقے کی جنگلی جھاڑیاں پائی جاتی ہیں پرندے باغ سے میوہ لیجاتے وقت جو بیج گراتے ہیں یہ جھاڑیاں اُن سے بھری ہیں - کبھی کٹے ہوئے خشک - درخت کے کھوکھلے تنے سے کروندے کا پودا بھی اُگتا ہوا نظر آتا ہے ان جھاڑیوں میں - جنگلی سیب بھی نظر آجاتا ہے - بڑے قسم کے شاہ بلوط کا پیارا شوخ رنگ جب کہ وہ اپنے سبز رنگ کے خاردار چھلکے میں پک کر شاداب ہو جاتا ہے، اپنی نظیر آپ ہے، درخت کے نیچے پھلوں کے گر کر ٹوٹنے سے گھاس پر چھلکے بکھرے ہوئے ہیں - تنے کے پاس

کی گھاس گھوڑوں کی ٹھوکر سے جو گرما میں اُس کے ہرے بھرے سایہ کو پسند کرتے ہیں گھس گئی ہے۔ مازو پھل جو عام طور پر بہار میں بلوط کے درخت پر اُس کے تنے کے قریب لگتے ہیں موسم گرما میں گر جاتے ہیں اور مُرجھائے ہوئے زمین پر کارک کی طرح پڑے رہتے ہیں۔ اتنے سیاہ کہ جلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن مازو پھل بعض درختوں پر کثرت سے گیند کی طرح گول ہوتے ہیں ان کا رنگ ہلکا سبز ہوتا ہے پت جھڑ کے بعد بھی یہ شاخوں پر رہ جاتے ہیں، سوکھ کر اُن کا رنگ بھورا ہو جاتا ہے اور پھر بہار کی واپسی تک درخت پر لٹکے رہتے ہیں" (ماخوذ از صفحہ ۲۲۴ و ۲۲۵ "وائلڈ لائیف ان اے سدرن کنٹری" ("Wild Life in a Southern Country")

سر آرتھر کولار کوچ (Sir Arthur Quiller-Couch) نے مشاہدہ کے اس طریقہ کو لندن کے ایک ضلع میں اس طرح استعمال کیا ہے کہ "سرِ راہ یہاں وہاں اہلِ ایطالیہ کی دکانیں پائی جاتی ہیں جو یہاں بطور شاخ کھولی گئی ہیں اور اُن کے صدر مرکز اور کارخانے شہر میں ہیں۔ رہن رکھنے والے دلاّل کی جائے سکونت کی پہلی منزل کے دریچوں میں کبھی پیتلی گیندیں لٹکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اُسی راہ میں مکانوں کے ایجنٹ بھی عام طور پر پائے جاتے ہیں گھونگے کی شکل جب کہ اُسے سوئی کی مدد سے سیپ سے علیحدہ کر لیا جائے عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے۔ اسی کی ایک دوکان

جنوبی کنسنگٹن (South Kensington) میں تحت زمین ریلوے اسٹیشن کے قریب ہے۔ دوکان کے نیچے فرش پر گھونگے کے چھلکے بکھرے ہوئے ہیں اور یہاں وہ گر کر پڑے رہتے ہیں۔ اس دوکان سے قریب گاڑیوں کا اڈّا ہے جس کا فرش پتھروں سے بے ڈھنگے طور پر لیکن اس طرح مضبوط بنایا گیا ہے کہ گھوڑوں کی ٹھوکروں سے خراب نہ ہونے پائے، دبیز اونی کپڑے جو سرما میں بساطی کے شیشہ دار دریچوں سے نظر آتے ہیں گرما کی آمد پر ان کی جگہ ہلکی بافت کے کپڑے لے لیتے ہیں اور اونی کپڑوں کو یا تو اٹھا کر علیحدہ رکھ دیا جاتا ہے یا وہ ارزاں قیمت پر فروخت کے لئے بطور نمایش شیشہ دار الماری میں رکھ دئے جاتے ہیں۔ لیکن سفید اور گول گول کالر نظر آتے رہتے ہیں اور اسی طرح ایک عرصہ تک پڑے رہکر گرد و غبار میں میلے ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن کی بھی فروخت کا وقت آ جاتا ہے"۔ (ماخوذ از اڈونچرس ان کریٹیسیزم "Adventures in Criticism" صفحہ ۲۲۳ و ۲۲۴)

اہل دیہہ کو جفری (Jeffery) کے مشاہدے عامیانہ اور فرسودہ معلوم ہوں گے۔ اور اُن کا یہ فیصلہ ہوگا کہ فی الحقیقت ہر شخص از خود بآسانی اس قسم کے مشاہدے کرتا ہے۔ کسی سے یہ کہنا کہ وہ اس قسم کی چیزیں نوٹ کرے تحصیل حاصل ہے وہ خود اس کے نوٹ کرنے پر مجبور

ہے۔ جو مشاہدے سر آرتھر کو لار کوچ نے کئے ہیں اُن کے متعلق بھی اہل شہر کی یہی رائے ہوگی۔ شہر ہو یا قصبہ سہولت اور تعمق سے مشاہدہ کرنا، زیادہ تر مشاہدے کرنے والے کے ادراکی مواد پر جو اُس کے نفس میں موجود ہو منحصر ہے۔

جو لوگ عام مشاہدے کی عادت ڈالنے پر زور دیتے ہیں، وہ دو اسباب اپنے عقیدہ کی بناء پر پیش کرتے ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ چونکہ ہم یہ نہیں جانتے ہیں کہ کس قسم کی معلومات ہمارے لئے مفید ثابت ہوں گی اس لئے بہتر ہوگا کہ جوں جوں ہمیں اطلاعات پہنچتی جائیں ہم اُن کا ذخیرہ فراہم کرتے جائیں۔ اگر مادّی چیزوں کی دیکھ بھال بھی اسیطرح کی جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ہم جوتے کی ڈوریاں اور رسی کے ٹکڑے وغیرہ اسوجہ سے محفوظ کرتے جائیں کہ ممکن ہے کہ کسی روز پارسل کے باندھنے میں ان کی ضرورت پڑے۔ اسی طرح ہم اپنی جیبوں میں پرانے خطوط کا ذخیرہ پنسل کے ٹکڑے اور ایسی اشیاء کے اشتہاروں کے پرزے بھر رکھیں جن کو ہم دولتِ متوقعہ کے ملنے کے بعد خریدنا چاہتے ہیں۔ یہ مثل کہ "کسی چیز کو سات سال تک اٹھا رکھو تو یقین ہے کہ اس اثناء میں تمہیں اُس کا مصرف معلوم ہو جائے گا" ممکن ہے کہ لغو نہ ہو لیکن ہم اس کے مطابق عمل کریں تو ہماری رہایش پاک وصاف مکان میں نہیں ہوگی۔ بلکہ کوڑے کرکٹ پر

حقیقت حال یہ ہے کہ اگر ہم بہت سارے ایسے امور کا مشاہدہ کرنے لگیں جن میں ہمیں کوئی خاص دلچسپی نہ ہو تو نہ صرف ہمیں تکلیف وہ مصیبت اٹھانی پڑیگی بلکہ ہماری محنت رائگان بھی جائیگی۔ کیونکہ بہتیرے واقعات ذہن سے اُسی قدر جلد نکل جائینگے جس قدر جلد کہ وہ داخل ہوئے تھے۔

عام مشاہدہ کی عادت ڈالنے کے متعلق دوسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قوّتِ مشاہدہ کی تربیت قرینِ مصلحت اور ضروری ہے۔ لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ عام مشاہدہ کی قوت کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ ایک کسان جس کو فصلوں کا مشاہدہ کرنے کی تربیت ہوئی ہے بیک نظر کسی کھیت کے متعلق جو معلومات حاصل کرتا ہے وہ کوئلہ کا کھودنے والا سو مرتبہ مشاہدہ کر کے حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ بات نہیں ہے کہ کسان کی آنکھ کے پردے پر جو تصویر پڑتی ہے وہ کوئی دوسری ہوتی ہے اور کوئلہ کھودنے والیکے کوئی اور۔ دونوں صورتوں میں عضویاتی مہیج کم و بیش ایک ہی ہے۔ جو چیز مختلف ہے وہ ذہنی ردِّعمل ہے اور اس کا بدار اُس ادّراکی مواد پر ہے جو ذہن میں موجود ہو۔ کسان کے ذہن میں فصلوں کے خیال کے آس پاس ایک مواد موجود ہے جس کی غیر معمولی طور پر نشوونما ہوئی ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ عضویاتی مہیج پیچیدہ قسم کے اور نو بہ نو خیالات کو وجود میں لاتی ہے اور یہ خیالات تہیّجات کے مختلف پہلوؤں پر، جو کسان کے مشاہدے میں نہیں آئے توجہ

مبذول کرتے ہیں، لیکن اگر مشاہدہ کی چیز کو بدل دیا جائے اور بجائے کھیت کے کوئلے کی کان کا مشاہدہ کیا جائے تو دونوں مشاہدہ کرنے والوں کی حالت برعکس ہوگی۔ کوئلہ کھودنے والا گاؤں کی چیزوں کا مشاہدہ کرنے میں قریب قریب گونگے بہرے کی طرح ہوگا اور کسان سے یہی چیزیں بزبان حال گویا ہونگی۔ بخلاف اسکے اگر کسان کو تحتِ زمین بھیجا جائے تو وہاں کی چیزیں اُسے پریشان کرڈالیں گی مگر کوئلہ کھودنے والے کے لئے نئی نہ ہونگی۔ زید کہتا ہے کہ "میں یہ کبھی معلوم نہ کرسکا کہ بکر کس بناء پر عمرو کو پسند کرتا ہے" خود زید بھی لحظہ بھر میں عمرو کو پسند کرنے لگے گا بشرطیکہ بکر کے جیسا ادراکی مواد اُس کا بھی ہو۔ یہاں جسمانی احساسات کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ تو زید کے بھی ویسے ہی تیز ہیں جیسے بکر کے۔ ٹرنر کی تیار کی ہوئی تصویروں پر تنقید کرتے ہوئے ایک مشاہدہ کرنے والے نے کہا کہ "میں نے ایسی رنگ آمیزی کیا ہوا آسمان کبھی نہیں دیکھا" مصوّر نے کہا کہ "کیا آپ کی یہ خواہش نہیں ہے کہ ایسا آسمان دیکھیں" یہ نقّاد ٹرنر کی رنگ آمیزیوں کو محسوس کرتا بشرطیکہ ٹرنر کے ذہنی مشمولات اس کے بھی ہوتے۔ مختصر یہ ہے کہ لوگ اپنے ادراکی مواد کے مطابق جو اُن کے شعور میں موجود ہو مشاہدہ کرتے ہیں۔

اگر آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کا ادّارکی مواد کیسا ہے تو آپ

صحیح طور پر یہ معلوم کر لینگے کہ وہ کسی شئے کا کس طرح درک حاصل کریگا اسیطرح اسکے برعکس اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ایک شخص کس طرح کسی شئے کا ادّراک حاصل کرتا ہے تو ہم ہوشیاری کے ساتھ قیاس کر سکتے ہیں کہ اسکا ادّراکی مواد کیا ہوگا ایک کھیت کا مشاہدہ تین آدمی کرتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ گھاس کی کیا ہی اچھی فصل ہے! دوسرا یوں گویا ہوتا ہے کہ کرکٹ کھیلنے کے لئے اچھی مسطح زمین ہے! تیسرا کہتا ہے کہ یہ کھیت بس گور غریباں کے لائق ہے! ایک مرتبہ اسنوڈن کے دامن میں میں نے ایک مزدور کو جا لیا۔ اُس نے اس پر شکوہ پہاڑ کو غروب آفتاب کی شان و شوکت اور اُس کی سنہری کرنوں میں نہائے ہوئے دیکھکر کہا حضور! کیا ہی بڑا مٹی کا ڈھیر ہے! اسکے منتقل کرنے میں سبل اور بیلچوں سے جنگ کرنے کی ضرورت ہوگی" حقیقت یہ ہے کہ ہم سب اپنے ادراکی مواد کے مطابق مشاہدہ کرتے ہیں۔

پس ایک جاہل شخص کو دنیا میں اس ہدایت کے ساتھ بھیج دینا کہ جو چیز ملے مشاہدہ کرو بیہودگی سے خالی نہیں ہے۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ کوئی شخص وسیع مشاہدہ کرے تو ضروری ہے کہ اُس کا ذہن وسیع معلومات سے پُر کیا جائے اور اُس کے ادّراکی مواد کو ترقی دی جائے تاکہ جن مظاہر کا مشاہدہ کرانا مقصود ہو اُن کا وہ مشاہدہ کر سکے۔ عام وسیع مشاہدہ کی عادت

ڈالنے کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ عام و سیع معلومات حاصل کی جائیں - ایک جاہل شخص وسیع مشاہدہ نہیں کرتا ہے بلکہ وہ ہکا بکا ہو جاتا ہے- مشاہدہ جس کا نام ہے اور صحیح مشاہدہ جسے کہتے ہیں، اس میں نیا ادراک ایک منظم خیالات کے مواد کی مدد سے جو پہلے سے ذہن میں موجود ہوتا ہے سمجھ میں آتا ہے - اگر خیال کا کوئی مواد نہ ہو جس سے نیا ادراک منسلک ہو سکے تو یہ مشاہدہ کا عمل نہ ہوگا بلکہ ششدر رہونے کا عمل ہوگا -

پروفیسر آڈمس نے اس کا لب لباب یوں پیش کیا ہے کہ

"مشاہدہ کی تربیت آنکھ، کان اور ہاتھ کی تربیت سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ ذہن ہی کے اندر منظم معلومات کے کام کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے - اگر ہماری یہ خواہش ہے کہ مشاہدہ کے کسی خاص شعبہ میں باریک بینی پیدا ہو تو ہمیں اس کے لئے خاص معلومات حاصل کرنی ہونگی - اگر ہم اپنے عام مشاہدہ کی قوت کو ترقی دینا چاہیں تو ہمیں کامیابی اُسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ ہم اپنی دلچسپی کو بھی وسعت دیں- خارجی اشیاء کے مشاہدہ میں معلومات اور دلچسپی کا باہمی عمل ہی حقیقت میں ایک چیز ہے جسے مشاہدہ کہنا چاہیئے"-

ہربارٹ کے معتقدین نے جو تفصیل مشاہدہ کے شرائط سے متعلق

دی ہے، وہ ایک ذکی الحس ضمیر رکھنے والے کے لئے باعث عزت افزائی ہے۔ مثلاً ایک شخص اسکاربرو یا برائٹن میں چھٹیاں گزارنا چاہتا ہے اور ساحل کے عجائبات سے ذاتی وقفیت حاصل کرنے کو اپنا فریضہ سمجھکر مختلف قسم کی چٹانوں اور پتھروں کے گڈھوں میں تحقیقات کے لئے روانہ ہو جاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے شوق سے سرگرم عمل رہتا ہے، لیکن جلد اور بہت جلد اُس کی دلچسپی کم ہونے لگتی ہے اور اُس کا جی اُکتا جاتا ہے، وہ تمباکو فروش کی دوکان کے مشاہدہ میں یا سڑکوں پر تماشہ کرنے والوں کے کرتب دیکھنے میں زیادہ آسودگی اور آسایش محسوس کرنے لگتا ہے۔ تعطیل کے اختتام پر اُسے انفعال ہوتا ہے اور وہ اپنے کو لعنت ملامت کرتا ہے کہ مشاہدۂ قدرت کا زرّین موقع وہ گنوا بیٹھا۔ لیکن اُسے رنجیدہ نہ ہونا چاہئیے کیونکہ یہاں اُس کے ضمیر کی غلطی ہے۔ اگر اُس کا ضمیر ملامت کرتا ہے تو مشاہدہ قدرت سے تھک جانے پر نہ کرے بلکہ اس پر کہ اُس نے ایسے ادراکی مواد کو ترقی دی جو تمباکو نوشی اور تمسخر آمیز گانے سے متعلق تھے نہ کہ مشاہدۂ قدرت سے۔ اس مقولہ سے زیادہ صحیح کوئی اور مقولہ نہیں ہے کہ "جہاں تمہارا خزانہ مخفی ہے وہاں تمہارا دل بھی لگے گا" تھوڑی تبدیلی کے ساتھ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ "جہاں تمہاری دلچسپی ہے وہاں تمہارا مشاہدہ بھی قوی ہوگا اور چھان بین کرے گا"۔

اس ضمن میں عجائب خانہ کی چیزوں کا ذکر بیجا نہ ہوگا۔ فرض کیا جائے کہ کسی چیز کا ماہر خصوصی عجائب خانہ کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ وہ سینکڑوں چیزوں کے پاس سے بلا دیکھے گزر جاتا ہے۔ مگر وہ معاً ایک خوشنما آئینہ کی الماری کے پاس رُک جاتا ہے۔ یہاں وہ ایک نہایت ہی وسیع اور منتظم خیالات کے مواد کو شعور میں لے آتا ہے۔ تاکہ اُن نادر اور منتخب اشیاء کو جو اس کی آنکھوں کے لئے فرحت بخش ہیں سمجھ سکے اور ادراک حاصل کرے۔ ایسی حالت میں گھنٹوں گذر جاتے ہیں اور وہ ایسا منہمک ہوتا ہے کہ یہ محسوس تک نہیں کرتا کہ وقت کیسے گذرا۔ متوسط شخص کی صورت ہی جدا ہے۔ وہ نہایت ہی دلفریب چیز پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے تھوڑی ہی دیر میں اُکتا جاتا ہے۔ آخر کار تھک کر یہ تصفیہ کر لیتا ہے کہ آئندہ میں کبھی عجائب خانہ کو نہیں جاؤنگا۔ ایسے شخص سے کس طرح توقع کیجا سکتی ہے کہ وہ مشاہدہ کریگا جب کہ محظوظ ہونے کے لئے جس قدر علم کی ضرورت ہے وہ اُس سے معرا ہے۔ مجھے تو بالذات ایسے اشخاص سے ہمدردی ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے قطع نظر ان چیزوں کے جن سے مجھے خاص طور پر دلچسپی ہے اور جو عجائب خانوں میں شاذ و نادر پائی جاتی ہیں۔ میں عجائب خانوں کو اُکتا دینے والی چیز سمجھتا ہوں اور وہاں جانے سے گھبراتا ہوں۔

تیرھواں باب

تصدیق و استدلال

ہم دور سے کسی شے کو آتے ہوئے دیکھتے ہیں - پہلی نظر میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ چیز جاندار ہے یا بے جان - رفتہ رفتہ ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ وہ کوئی جاندار شے ہے - لیکن کس قسم کی جاندار شے ہے آیا انسان ہے یا حیوان یہ ہم نہیں پہچان سکتے - جیسے جیسے وہ قریب آتی ہے ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ وہ چوپایہ ہے لیکن کس نوع سے تعلق ہے اس کا اب بھی علم نہیں - آخر کار ہمیں درک ہوتا ہے کہ وہ گھوڑا ہے اور انجام کار ہم یہ پہچان لیتے ہیں کہ فلاں قصاب کی سبزہ مادیان ہے ابتداءً ہمارا علم بے حد غیر واضح اور دُھندلا تھا مگر جوں جوں ہمارا تجربہ وسیع ہوتا گیا اور ہم نے نظرِ غور سے کام لیا ہم پر اُس چیز کی امتیازی خصوصیات کُھلنے لگیں -

اسی طریقہ پر جیسا کہ اوپر درج ہے کسی ذات یا شے کا علم ہوتا ہے، خواہ اس کا حاصل کرنے والا سات سال کا ہو یا ستّر برس کا بوڑھا - طریقۂ عمل ایک ہی ہو گا - اولاً غیر واضح اور دھندلا سا خیال ہوتا ہے جس کے حدود اور حصّے غیر معین اور غیر واضح ہوتے ہیں - چونکہ یہ عمل بناوٹ اور ساخت کے اعتبار سے ادھورا ہوتا ہے لہذا تعمیم کا اطلاق اُس پر

نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد جداگانہ انفرادی خیالات ہوتے ہیں۔ ان ہی سے حقیقت میں تعمیم یا کلیہ بنتا ہے۔ ایک شخص جو باقاعدہ طور پر نباتیات کا مطالعہ شروع کرتا ہے وہ کسی نوع کے ایک فرد کا جزئی اور تفصیلی مطالعہ نہیں کرتا بلکہ وہ پورے علم پر پہلے اجمالی نظر ڈالتا ہے، پھر جزئیات اور تفصیل کا مطالعہ کرتا ہے اور اُن کو ملا کر قضیہ کلیہ بناتا ہے۔ نیز ہر قدم پر ان نتائج کا مقابلہ اس اجمالی خیال سے کرتا ہے اور وقتاً فوقتاً اس میں ضروری اصلاح بھی کرتا جاتا ہے۔ ایک بُت تراش جو طریقہ سنگ مرمر سے بت کے تراشنے میں اختیار کرتا ہے بعینہٖ اس کا بھی یہی طریقہ ہے۔ مثلاً پہلے وہ ایک بھدّا سا خاکہ تیار کرتا ہے اور پھر تراش خراش کر مجسمہ کے نمایاں خط و خال واضح کرتا ہے۔ بھدے خاکہ کو اگر پہلے سے تیار نہ کر لیا جائے تو آخری تشکیل یعنی بُت سازی کا آخری عمل تقریباً ناممکن ہوگا۔

اُن دھندلے اور غیر واضح خیالات کو جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے رومانیز (Romanes) نے محصلات کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مندرجہ ذیل فقرہ سے جو "مَنٹل ریولیوشن ان مین" ("Mental Revolution in Man") سے لیا گیا ہے تصوّرات اور محصلات کا فرق ظاہر ہوگا:— "مُرغان آبی زمین یا برف پر ایک طریقہ سے اُترتے ہیں اور پانی پر دوسرے طریقہ سے

بلندی سے غوطہ لگانے والے پرند برف یا زمین پر اُس طرح نہیں اُترتے جس طرح کہ پانی میں اُترتے ہیں۔ ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ٹھوس سطح کے لئے جانوروں کا محصل ایک ہوتا ہے اور سیال چیزوں کے لئے کچھ اور۔ اسی طرح انسان کبھی بلندی سے سخت زمین یا برف پر غوطہ نہیں لگائے گا اور نہ پانی میں اس طرح پھاند جائے گا جیسا کہ خشک زمین پر کودتے ہیں۔ بالفاظ دیگر آبی پرندوں کی طرح انسان کے بھی دو محصلات ہوتے ہیں۔ ایک سخت زمین کے لئے دوسرا غیر مزاحم سیال مادّہ کے لئے۔ لیکن بخلاف آبی پرندوں کے انسان ان دونوں محصلات کو الگ الگ نام دیتا اور اُن کو ترقی دے کر تصور کی سطح پر لے آتا ہے۔ جہاں تک اس تبدیلی کے عملی اغراض کا تعلق ہے اِس کی کوئی اہمیت نہیں کہ وہ ان محصلات کو ترقی دے کر تصورات کے درجہ تک پہنچا سکتا ہے یا نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ایسا کر سکتا ہے تو دوسرے کئی مقاصد کے لئے یہ عمل ازبس مفید ہے۔"

بیان کئے ہوئے طریقہ پر ہم نہ صرف انفرادی علم کی شاخوں سے واقف ہوتے ہیں بلکہ بقول سر ولیم ہملٹن (Sir William Hamilton) اور ڈاکٹر لینگ (Dr. Lange) ہر انفرادی نفس کی نشوونما بھی اُسی قانون کے تحت ہوتی ہے۔ ایک تعلیم یافتہ شخص گنوار کے مقابلہ میں اپنے عام

تصوّرات کی بہتات کے باعث نہیں پہچانا جاتا بلکہ ان تصوّرات کے اجزا میں امتیاز پیدا کرنے اور اُن سے باقاعدہ کلیہ بنانے سے ممیز کیا جاسکتا ہے - ہل چلانے والا بھی فلکیات کا کچھ نہ کچھ تصور رکھتا ہے اور ہیئت دان بھی - اول الذکر کا تصور بالکل غیر واضح اور دُھندلا ہوگا لیکن ہیئت دان کسان کی طرح اُسی نقطہ سے چل کر انفرادی طور پر واقعات کا ذخیرہ جمع کرلیتا ہے - اور انہیں ترکیب دے کر کلیات کا ایک شاندار نظام تیار کرلیتا ہے - ٹینیسن (Tennyson) اور ایک زٹل قافیہ شاعر دونوں نظم کا تصوّر رکھتے ہیں - اسی طرح ایک زاہد اور رند مشرب میں اخلاق کے تصوّرات ہوتے ہیں - لیکن زاہد اور شاعر کے تصوّرات بہت زیادہ مکمل اور مکلف ہوں گے بخلاف اس کے رند مشرب اور زٹل قافیہ شاعر کے تصوّرات، محصلات سے بالاتر نہ ہوں گے -

جن نتائج پر لینگ اور ہملٹن پہنچے ہیں انہیں ہم مساوات کی شکل میں پیش کرتے ہیں - اگر ا ایک تعلیم یافتہ شخص کے جملہ تصوّرات کے برابر، اور ب اُس کے جملہ محصلات کے بجائے ہو، نیز د ایک گنوار شخص کے جملہ تصوّرات اور ج محصلات کے مساوی ہو تو ان دونوں کا عددی تناسب اس ضابطہ کے ذریعہ کم و بیش واضح ہو سکتا ہے:—

ا + ب = ج + د

اس میں ل' ج سے بڑا ہے اور اسی تناسب سے د' ب سے بڑا ہے۔
ارسطو کہتا ہے کہ "ہمیں معلوم شے سے نا معلوم شے کی طرف جانا چاہیئے اور جو چیز ہم پر صاف اور روشن ہے اُس سے قدرت کی صاف اور روشن چیز کی طرف رجوع ہونا چاہیئے۔ لیکن وہ چیزیں جو مرکب اور مبہم حیثیت رکھتی ہیں سب سے پہلے ہم پر کھلتی اور واضح ہوتی ہیں۔ کیونکہ اس کے بعد ان اشیاء کی تحلیل سے ان کے جزئیات اور تفصیلات اور اُن اجزا کا جس سے وہ مرکب ہیں علم ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں کُل سے جز کی طرف جانا چاہیئے۔ کیونکہ ذہن کُل کو بمقابلہ جز کے بہتر طریقہ پر قبول کرتا ہے اور کلیہ بھی ایک طرح سے کُل ہے، جو جزئیات پر مشتمل ہے۔ پس اس طرح اسماء تعریفات کے مقابلہ میں جلد یاد ہو جاتے ہیں اسلئے کہ اسماء بلا تعین کُل پر دلالت کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے تعریفات سے اُن کی اجزا کی تقسیم اور تشریح ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے ابتداءً ہر شخص کو باپ اور ہر عورت کو ماں پکارتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ ایک شخص کو دوسرے سے ممیز کرنے لگتے ہیں"۔
مثال کے طور پر فرض کیا جائے کہ ہم نے مکڑیوں کا مطالعہ شروع کیا۔ ہم ایک موہوم دھندلے تصوّر سے ابتدا کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ مکڑی ایک مکروہ چیز ہے۔ جس کا مارنا بدشگونی ہے۔ جس کے تانے ہوئے جالے

دیکھنے میں بدنما معلوم ہوتے ہیں اس کے بعد ہم اور تین مشاہدے کرتے ہیں یعنی مکڑی کے آٹھ پیر ہوتے ہیں، اُس کا جسم نمایاں طور پر دو حصوں میں منقسم ہے اور وہ پردار نہیں ہے - ان نئے واقعات نے ہمارے مکڑی کے تصّور کو جو پہلے تاریکی اور تذبذب میں گھرا ہوا تھا کسیقدر واضح اور روشن کر دیا - اسی طرح ہم اور واقعات کا اضافہ کرتے جائیں تو رہا سہا ابہام بھی بتدریج دور ہو جائے گا - یہی نہیں بلکہ جلد ہم اُن واقعات کو جن کا مشاہدہ کیا گیا ہے ترتیب دے لیں گے اور سابقہ تصّور سے ترکیب دیکر مکڑی کا ایک نیا ہی تصور قائم کریں گے جس کے لحاظ سے مکڑی ایک بے ترتیب اور موہوم شئے نہیں ہوگی بلکہ باقاعدہ عضویاتی کُل ہوگی - جس کے خوشنما اور متناسب اعضاء ہوں گے -

ہم اپنے تینوں مشاہدات اس طرح قلمبند کرسکتے ہیں -

مکڑی آٹھ پیر والی ہے -

مکڑی جسم کے دو حصے رکھتی ہے -

مکڑی کے بازو نہیں ہیں -

ان تینوں جملوں سے ایک تصدیق ظاہر ہوتی ہے اور ہر مثال میں دو خیال ہیں - یعنی "مکڑی" اور "آٹھ پیر والی" "مکڑی" کا خیال ایک کُل ہے اور "آٹھ پیر والی" اس کُل کا ایک جزو یعنی مکڑی کی مجموعی

صفات میں سے ایک صفت ہے۔ لفظ "ہے" ان دونوں خیالوں کو جوڑنے والی چیز ہے جسے نسبت یا رابطہ کہیں گے۔ اس کُل یعنی "مکڑی" کو جس کے متعلق ہم کچھ بیان کرتے ہیں موضوع کہیں گے۔ اِس کُل کے جز "آٹھ پیر والی" یعنی اُس بیان کو جو کل کے متعلق کیا گیا ہے محمول کہینگے ہماری ذہنی تصدیق کہ "مکڑی پیر والی ہے" جسے ہم نے موضوع محمول اور رابطہ سے بتایا ہے اگر اُسے الفاظ میں رکھا جائے تو قضیہ یا مقدمہ کہیں گے۔ مختصر یہ کہ بقول کروسا (Crousad) "جب ہم قضیہ تصدیق کرتے ہیں سب سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ کم سے کم دو تصوّر ہوں۔ دوسرے ہم تصوّرات کا آپس میں مقابلہ کریں۔ تیسرے یہ معلوم کریں کہ ایک تصوّر دوسرے میں شامل ہے یا دوسرے کو اپنے سے خارج کرتا ہے۔ چوتھے جو کچھ ہم نے معلوم کیا ہے اُسے تسلیم کریں۔

ان ہی تصدیقات کی کڑیوں اور سلسلہ سے تصوّر کا مجموعہ بنتا ہے۔ مثلاً ہمارا مکڑی کا تصور اُن تصدیقات سے بنا ہے جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ ان کی تعمیر کے زمانہ میں ہر نیا مشاہدہ بمنزلہ ایک انکشاف کے ہے اور ترکیبی عمل سے یہ تازہ واقعات ہربارٹ کی اصطلاح میں اُس ادراکی مواد سے جو لفظ مکڑی کے ساتھ ہے امتزاج پائینگے۔ جوں ہی نیا علم حاصل ہوگا وہ ہمارے ذہنی سازوسامان اور ادراکی مواد کا ایک جزو بن جائیگا

اور آگے چل کر جب کبھی ہم اپنی سابقہ تصدیق کا اظہار کریں گے تو ہمیں مکڑی کے متعلق اور جتنے مجموعے تصدیقات کے ہوں گے اُن میں سے انتخاب کرنا ہوگا۔ گویا یہ طریقہ تحلیلی ہوا۔ اس طرح مکڑیوں کے متعلق ایک ہی تصدیق جاہل شخص کے لئے ترکیبی ہوگی اور پڑھے لکھے کے لئے تحلیلی۔

اسی بات پر مسٹر ٹشنر (Mr. Titchener) نے کیا خوب کہا ہے کہ "تصدیق کا قائم کرنا اور فکر کرنا شعور کے نادر واقعات اور واردات ہیں۔ انسان نے اپنی تعریف عقل والا حیوان یا حیوانِ ناطق کی ہے۔ لیکن وہ شاذ و نادر ہی فکر سے کام لیتا ہے۔ اس لئے کہ ہم سب ایسے ماحول میں پیدا ہوئے ہیں کہ تصدیقات ہمیں تیار ملتی ہیں اور اس طرح ہر پشت کو تصدیقات میراث میں ملتی آئی ہیں۔ پس جن واقعات کو حل کرنے میں ہمارے اسلاف نے جانکاہ محنت برداشت کی وہ ہمیں بلا ہاتھ پیر ہلائے مل جاتے ہیں۔ مثلاً سوسائٹی مُنظّم حالت میں ہے۔ ہمیں سماجی تنظیم کے لئے تصدیقات قائم کرنے کی زحمت اُٹھانے کی ضرورت نہیں۔ ایک طریقہ کا مذہب قائم ہوگیا ہے اس لئے ہمیں مذہبی معاملات میں تصدیق کی ضرورت نہیں۔ سماجی زندگی میں ہم کو کس طرح عمل کرنا چاہئیے اس کے دستور بن چکے ہیں۔ اس میں تصدیق قائم کرنا بے سود ہے۔ اسی طرح

سائنس کے اصول ہمارے گردو پیش ہر چیز میں کارفرما ہیں، ہمیں ان اصولوں کے سمجھنے کی ضرورت نہیں۔ ہم دخانی انجن ریل اور تار کو ایسی چیزوں میں شمار کرتے ہیں جن پر غورو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے اسلاف کے زرّین کارناموں کے باعث ہماری زندگی سہل اور آسان بن گئی ہے۔ اس پر بھی ہم اگر اپنے ذاتی تصدیقات قائم کرنا چاہیں تو سابقہ تصدیقات کتابوں میں محفوظ ہیں اور بے شمار ہمارے بڑے بڈھوں سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اس طرح آزادانہ غورو فکر مشکل ہے۔ پس اس سے یہ بھی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس قسم کے مقدمے "جیسے گھاس سبز ہے" حقیقت میں تصدیقات نہیں ہیں۔ کیونکہ اُن سے ایسے نتائج ظاہر نہیں ہوتے جو محنت اور توجہ کے بعد اخذ کئے گئے ہوں۔ اگرچہ ان کی شکل و صورت تصدیق کی طرح ہے مگر اس کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ کئی پشتوں کے قبل یہ کبھی تصدیقات رہی ہونگی۔ یا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم وقتِ واحد میں ایک سے زیادہ لفظ بول نہیں سکتے۔ اس لئے ہمارے خیال کے اجزا جیسے گھاس سبز ہے یکے بعد دیگرے ظاہر ہو رہے ہیں۔ یہاں مسٹر ٹشنر (Titchener) نے لفظ تصدیق کے استعمال کو صرف عمل ترکیبی کی حد تک محدود کر دیا ہے۔ مگر ان اوراق میں ہم عملِ تحلیلی کے لئے بھی استعمال کریں گے قارئین اس کو ملحوظ رکھیں۔

اصطلاح "تصدیق" ہربارٹ کی اصطلاح "ادراک" کے مماثل ہے۔ اگر ہماری یہ خواہش ہو کہ ہم اچھی تصدیقات قائم کر سکیں تو ہمارے ادراکی مواد کا بھی صحیح ہونا ضروری ہے۔ اگر ہم مکڑیوں کے متعلق، تمدّن اور دو فلزی سکوں کے رواج کے متعلق اچھی تصدیقات قائم کرنا چاہتے ہوں تو ان کے متعلق ہمارا علم وسیع صحیح گوناگوں اور پرانا نہیں بلکہ حال کا ہونا چاہئیے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک شخص کے متعلق اچھی تصدیقات قائم کر سکتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لازماً دوسری تمام چیزوں میں بھی اچھی تصدیقات قائم کریگا۔ مثلاً ایسے بھی کسان ملیں گے جنہیں بہتر سے بہتر منطقی بیلوں کے پہچاننے میں دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ اس معاملہ میں سلیمان اور ارسطو سے بہتر رائے زنی کر سکتے ہیں۔ مگر دینی مباحث میں ان کی رائے کچھ بھی وقیع نہ ہوگی۔ تصدیق کی کوئی عام قوت نہیں ہے۔ تصدیقات کا مدار محض ادراکی مواد پر ہے۔

ایک حیثیت سے تمام انسانی تصدیقات یک طرفہ اور سخت غیر منصفانہ ہیں۔ مثلاً اگر میں یہ کہوں کہ زید بدمزاج ہے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ زید کو من حیثیت الکل لیا گیا اور اُس کی جملہ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت لے کر یہ بیان کیا گیا کہ وہ بدمزاج ہے۔ لیکن قطع نظر بدمزاجی کے زید کی اور بھی صفات اور خصوصیات ہیں۔ فی الحقیقت زید

کی خصوصیات کا مجموعہ اور دنیوی چیزوں سے اُس کے تعلقات وغیرہ غیر محدود ہیں اور اس طرح ہم زید کے متعلق لامتناہی تصدیقات قائم کر سکتے ہیں - پس جب میں بدمزاجی کی خصوصیت یا محض اُس کے تعلق پر نظر ڈالوں تو یہ دوسری خصوصیات یا صفات کے حق میں نری ناانصافی ہوگی - میں صرف ایک ہی پہلو پر زور دے رہا ہوں اور دوسرے تمام پہلوؤں کو بالکلیہ نظرانداز کیا گیا ہے - بالفاظ دیگر میں کسی شئے کے ایک ہی رُخ پر نظر ڈال رہا ہوں - درآں حالیکہ اُس کے سینکڑوں روشن رخ ہیں - پس زید کے متعلق میں جو کچھ کہتا ہوں وہ محض یک طرفہ اور غلطی پر مبنی ہے - لیکن اس کے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں - انسانی استدلال میں صرف ایک ہی واقعہ کو وقتِ واحد میں لیا جا سکتا ہے اور اس طرح غیر یقینی اور تدریجی عمل سے حقیقت کی تلاش کی جا سکتی ہے - صرف عالم الغیب ہی بیک وقت زید کو من حیث الکُل سمجھ سکتا ہے اور کسی ایک خصوصیت کو الگ کر لینے اور دوسری صفات کو نظرانداز کرنے کی ضرورت نہ ہوگی - حقیقت میں بھی زید کا اصلی مرقع اور یہی حقیقی تصویر ہوگی - حقیقی معنوں میں صحیح حکم لگانا اور مبنی بر انصاف تصدیقات کا قائم کرنا صرف قادرِ مطلق ہی کا کام ہے -

تصدیق سے استدلال صرف ایک ہی زینہ ہے - مگر یہ زینہ اور یہ

عمل نہایت ہی اہم ہے۔ بیشتر ہمارا غور اور فکر بجز ایک سلسلہ تصاویر کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ یا وہ ایک قسم کا خود رو خواب ہے جس میں ایک چیز دوسری چیز کو سُجھاتی ہے۔ گو اس سے اکثر ناطق اور مُدلّل نتائج اخذ کیے جاتے ہیں مگر استدلال اور ہی چیز ہے۔ استدلال کا تعلق عینی چیزوں سے ہے نہ کہ ان صفات سے جن کی تجرید عینی چیزوں سے کی گئی ہو۔ غور و فکر کا یہ قصہ ہے کہ اکثر ہم کسی ایک چیز کو سوچنا شروع کرتے ہیں اور تھوڑی ہی دیر میں کسی دوسری چیز کو سوچنے لگتے ہیں اور ہمیں علم تک نہیں ہوتا کہ ہم کیسے دوسری چیز کو سوچنے لگے۔

حقیقی استدلال یہ ہے کہ ایک یا ایک سے زائد تصدیقات یا قضیوں کی مدد سے دوسری تصدیقات کو دریافت کیا جائے جو ان ہی سے مستخرج ہوں۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ استقرائی اور استخراجی۔ استخراجی طریقہ وہ ہے جس کی مدد سے عام کلیہ کا استعمال خاص صورتوں پر ہو اور استقرائی وہ ہے جس کے ذریعہ سے انفرادی اور خاص صورتوں کا مشاہدہ کرکے عام کلیے قائم کیے جاتے ہیں۔ ہم ذیل میں ایک مثال استخراجی استدلال کی لیں گے :—

"پارہ کا مرکب زہر ہے" ایک عام اصول یا کلیہ ہے۔ شنگرف ایک خاص مثال پارے کے مرکب کی ہے۔ جو اِدّعا عام کلیے کا ہے وہ خاص

صورتوں پر بھی مشتمل ہے۔ چونکہ پارے کا مرکب زہر ہے اس لئے نتیجہ کے طور پر شنگرف بھی زہر ہے رسمی طور پر اس کا سلسلہ تین قضیوں کی صورت میں اس طرح ہوگا:—

پارہ کا مرکب زہر ہے

شنگرف پارہ کا مرکب ہے

اس لئے شنگرف زہر ہے

تیسرے قضیہ یا مقدمہ کو نتیجہ کہیں گے۔ جس میں "شنگرف" موضوع ہے اور "زہر" محمول - دونوں قضیوں میں سے جس میں موضوع موجود ہے اُسے صغریٰ کہیں گے اور جس میں محمول ہے اُس کا نام کبریٰ ہے۔ یہ معلوم ہوا ہوگا کہ ہم اس نتیجہ پر کہ "شنگرف زہر ہے" حد اوسط یعنی "پارہ کا مرکب" کے استعمال سے پہنچے - قیاس میں حد اوسط کا استعمال ضروری ہے - یہ بمنزلہ ایک پُل کے ہے، جس کی مدد سے ہم ایک طرف سے دوسری طرف یعنی ایک نتیجہ سے دوسرے نتیجہ پر پہنچتے ہیں -

اصطلاح منطق میں تین تصدیقوں کے سلسلہ کو قیاس کہیں گے - ارسطو کہتا ہے کہ قیاس ایک قسم کی حجت ہے جس میں ایک چیز تسلیم کر لی جاتی ہے اور ایک چیز اس سے نتیجہ کے طور پر مستخرج ہوتی ہے - اولاً عام کلیہ ہے یہ کہ "پارہ کا مرکب زہریلا ہے" ثانیاً یہ مثال پیش نظر ہے

کہ "شنگرف پارے کا مرکب ہے" مثلاً اس کلیے کا استعمال دی ہوئی مثال پر کہ "شنگرف بھی زہر ہے۔" اگر نتیجہ کے موضوع کو "ا" اور محمول کو "ب" سے تعبیر کریں اور دونوں کا رابطہ "ج" سے قائم کیا جائے تو جو شکل ان علامتوں کی ہوگی وہ درج ذیل ہے:—

تمام ج، ب ہے

یہ ا، ج ہے

اس لئے یہ ا ب ہے

مختصر یہ کہ استخراجی طریقہ دو خیالات یا خیالات کے دو مجموعوں کو جن کا بلاواسطہ آپس میں تعلق نہیں ہوتا، ایک تیسرے مجموعے سے جزو مشترک کے ذریعہ بالواسطہ تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس طریقہ میں علم و فہم دونوں کو کام کرنا پڑتا ہے اور یہی دونوں اچھے استدلال کے لئے ناگزیر ہیں۔

حقیقت میں ہمیشہ اس رسمی طریقہ پر نتائج کا استخراج نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر بادل کا رنگ دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ کل بارش ہوگی خالص استخراجی طریقہ ہے۔ یہاں ہم ان قضیوں سے کام لیتے ہیں کہ "آسمان ابر آلود ہے" "کل بارش ہوگی۔" عام طور پر جس طرح ہم نتیجہ پر پہنچتے ہیں اس کا تعلق اس تصدیق سے ہوتا ہے جس سے ابتدا

کی جاتی ہے۔ گو یہ محذوف ہوتا ہے مگر سننے والے اُسے پورا کر لیتے ہیں۔ اوپر کی مثال میں ہم نے صاف طور پر نہیں کہا کہ "ابر آلود آسمان بارش کا پیش خیمہ ہے" لیکن جس شخص کو مخاطب کیا جا رہا ہے اس کا ذہن اس مقدمہ کو پورا کر لیتا ہے۔ گو یا ہم اپنے قیاسات کو اس رسمی طریقہ پر بیان نہیں کرتے مگر یہ بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ جب استدلال غلط ہو تو ہم رسمی طریقہ پر اس کی اصلاح کر سکتے ہیں یا شبہ کی صورت میں اخذ کردہ نتائج کی صحت کر لی جاتی ہے۔

استقرائی طریقہ میں خاص خاص مثالوں کے مشاہدہ اور تحقیق سے ہم عام اصول یا قاعدے کلیے بناتے ہیں۔ مثلاً یہ آدمی فانی ہے۔ وہ آدمی فانی ہے اور وہ تیسرا شخص فانی ہے۔ اس لئے تمام انسان فانی ہیں۔ یہاں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ اس کا پتہ چلایا جائے کہ جو بات چند افراد پر صادق آتی ہے وہ کُل پر بھی صادق آتی ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر ہم یہ استدلال کریں کہ رام گوپال چھوٹا کوٹ پہنتا ہے اور راج گوپال چھوٹا کوٹ پہنتا ہے اس لئے گوپال نام کے تمام اشخاص چھوٹا کوٹ پہنتے ہیں تو ایسی صورت میں ہمارا استدلال بجا نہ ہوگا۔

ہم ہمیشہ جزئیات کے مطالعہ سے قاعدے کلیے بناتے ہیں۔ مگر بیشتر ہمارے غور کی جد و جہد بلا شعور کے ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی بلی کے سیاہ

رنگ کا متعدد مرتبہ بچے کو ادراک ہو تو یہ سیاہ رنگ بِلّی کی احضاری تصویر یا تصوّر کا جزو اعظم ہوگا اور ہمیشہ بِلّی کا خیال بچے کو بالالتزام سیاہی کا خیال یاد دلائے گا۔

صحیح کلیے بنانے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ ہمارا تجربہ وسیع ہو اور مختلف طریقے سے کیا جائے۔ مختلف طریقے سے اس لئے کہ ہم نہ صرف مشاہدہ ہی کرسکیں بلکہ بہرنوع وبہرحال اچھی طرح اُسے آزما بھی سکیں۔ تجربے وسیع پیمانہ پر ہوں تاکہ ایک ہی قسم کے تجربوں کی تکرار آپس میں امتزاج پاکر ہم پر گہرے اور واضح نقوش ڈالے۔ مثلاً ڈارون کو ہم محنت اور تحمل کے نمونے کے طور پر پیش کرسکتے ہیں، جس نے تعمیم کی جسارت کرنے سے پیشتر وسیع پیمانہ پر مختلف طریقوں سے مشاہدات کئے، جن کو قلمبند کرنے کے اکیس سال بعد اس نے اپنی کتاب "انواع کی ابتداء" ("Origin of species") شائع کرکے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ لیکن دنیا میں چند ہی ڈارون ہیں۔ ہم میں سے اکثر نتائج کے اخذ کرنے میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں اور آسانی کے ساتھ کلیے بنا لیتے ہیں بسا اوقات تو یکہ و تنہا مثال کافی ہوتی ہے۔ اس لئے کچھ تعجب کا مقام نہیں کہ ہمارے نتائج غلطی پر مبنی ہوں۔

استقرائی طریقہ سے ہم کسی خاص واقعہ کو لیکر دوسرے واقعہ کا

استنباط کرتے ہیں جو بعینہ اسی قسم کا ہوتا ہے۔ جب ان میں یکسانیت و مماثلت پوری پوری نہ ہو تو ہم طریقۂ تمثیلی کو کام میں لاتے ہیں۔ جب دو چیزیں بعض خواص میں ایک دوسرے کے مماثل ہوں تو قیاس کیا جاتا ہے کہ دوسرے خواص میں بھی مماثلت رکھتی ہوں گی۔ تمثیل اور استعارہ سے بڑھ کر استدلال میں کوئی اور ذریعہ غلطی کا نہیں ہے۔ اس کی بہت اچھی مثال جارج ایلیٹ (George Eliot) کی کتاب "دی مل آن دی فلاس" (The Mill on the Floss) میں ملے گی۔ جس سے مسٹر اسٹلنگ (Mr. Stelling) جو ٹام ٹلیور (Tom Tulliver) کا استاد ہے یوں رائے زنی کرتا ہے کہ "ٹام کے دماغ کے لئے صرف اور منطق ناممکن الفہم ہیں۔ لہذا خاص طور پر اس کے دماغ کو ان ہی پیٹنٹ آلات یعنی صرف و منطق کی مدد سے ہل چلانے اور جوتنے کی ضرورت ہے۔ ٹام کا مرغوب خاطر یہ استعارہ تھا کہ یونانی اور لاطینی اور اقلیدس سے ذہنی تربیت یعنی کلچر حاصل ہو سکتا ہے اور یہی انسان کے دماغ کو اس طرح تیار کرتے ہیں کہ وہ آنے والی فصل کو قبول کرلے۔" اس رائے پر تنقید کرتے ہوئے کتاب کی مصنفہ یعنی جارج ایلیٹ کہتی ہے کہ "میں صرف یہ جانتی ہوں کہ مسٹر اسٹلنگ کا نسخہ ٹام کے لئے ایسا ہی بے چین کر دینے والا ثابت ہوا جیسے کہ معدے کی خلش میں دفع مرض

کے لئے پنیر تجویز کیا جائے۔ درآں حالیکہ ضرورت اصلاح معدے کی تھی مگر دوا فتور معدہ کا باعث ہوئی۔ یہ امر حیرت انگیز ہے کہ استعارہ کی اُلٹ پھیر سے نتائج و عواقب میں کس قدر تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔"

اس بات کو ختم کرنے سے پیشتر تصدیقات اور استدلال کے طریقہ عمل کے متعلق مختصر اشارات و ہدایات کا دینا فائدہ مند ہوگا۔

(۱) تعمیم متعدد اور مختلف مثالوں پر مبنی ہو۔ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے اور متضاد و مخالف صورتوں کو نظر انداز نہ کیا جائے۔

(۲) انفرادی اور جماعتی جانب داری سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اپنے تمام تصوّرات کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ نہ بنائی جائے بلکہ دنیا کو عام طور پر جائے زندگی سمجھ کر اپنے تصوّرات اس کے مطابق بنائے جائیں۔ نصیحت کرنا آسان ہے مگر اس کے مطابق عمل کرنا دشوار ہے۔ غالباً یہ واقعہ ہے کہ انسان ان ہدایات کے مطابق پورا پورا عمل پیرا نہیں ہو سکتا تاہم احتیاط اور استقلال کے ساتھ کام کیا جائے تو بہت کچھ ممکن ہے۔ ہم جس قدر بھی کوشش کریں جانب داری اور عصبیت سے بچ نہیں سکتے۔ اگر ہمارے تمام اشیاء کے تصورات لغت کے معیار تعریف کے مطابق ہوں تو پھر کوئی دِقّت باقی نہ رہے گی۔ لیکن حالات اس کے برعکس ہیں۔ ہماری تعریفات ہمارے ادراکی مواد پر منحصر ہیں، جو منطقی

نہیں بلکہ نفسیاتی ہیں۔ اسلئے ہر شخص کے لئے تعریفات جدا جدا ہوں گی۔ کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ایک انگریزی مزدور کا تصور ایک فرانسیسی کے متعلق یہ تھا کہ وہ مینڈک کھانے والا دو پایہ ہے اور بندریں اور اس میں نطق کا فرق اتنا نہیں ہے جتنا کہ یہ فرق ہے کہ فرانسیسی کپڑے پہننے کا عادی ہے۔ اب بھی صورت حال یہی ہے کہ ہم میں سے چند ایسے ہیں جو انگریزی وضع کا چہرہ نہ ہو تو فرشتہ کو فرشتہ نہ سمجھیں گے۔

(۳) الفاظ کے معانی پر اچھی طرح نظر رہے اور اصطلاحات کی تعریف بخوبی کرلی جائے۔ الفاظ اور تصورات کے تلازم میں صحت قائم کرنے کے لئے جتنی ہی کوشش کی جائے کم ہے۔

(۴) استعاروں اور تشبیہات کے الجھاؤ سے بچنا چاہیئے۔

(۵) پوری قوت سے توجہ دینے کی عادت ڈالی جائے۔

(۶) باریک بینی اور دقیق نظری کی عادت کی جائے۔

(۷) پہلے قیاس مفروضی قائم کرکے اس کے لحاظ سے واقعات میں زبردستی تطابق پیدا کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

(۸) کیفیت نفسی کی تبدیلی کا لحاظ رکھا جائے۔

(۹) یہ یاد رہے کہ تندرستی اور صحت فکر لازم وملزوم ہیں۔

چودھواں باب

توجہ

توجہ کا یہ فعل ہے کہ شعور سے کسی ایک خیال کا انتخاب کر کے اس پر خاص کام کرے۔ اگر ہم توجہ کو ایک قوت خیال کریں تو وہ یا تو ہمارے پورے شعور پر چھائی ہوئی ہوگی یا کسی خیال پر مرتکز ہوگی۔ اس آخری صورت میں جس قدر فائدہ مقرّب خیال کو ہوتا ہے اُسی قدر نقصان دوسرے خیالات کا ہوتا ہے۔ جب میں دھوپ میں چت لیٹتا اور آرام لیتا ہوں اور کسی خاص بات کو نہیں سوچتا تو میری توجہ پھیل جاتی ہے۔ مجھے خوشگوار گرمی، آرام و راحت، پرندوں کا چہچہانا نیلے آسمان اور اسی طرح دوسری باتوں کا شعور ہوتا ہے اور شاید میرے ذہن کی تہ میں انجام دئے ہوئے گزشتہ فرائض اور فرصت ملنے پر جو لطف کہ میں اُٹھانے والا ہوں اس کا اشتیاق موجود ہو۔ یہ اور غالباً دوسرے خیالات میرے شعور میں ساتھ ساتھ ہیں اور میری توجہ کی ساری قوت ان تمام خیالات میں منتشر اور پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن اگر میرے رخسار کو بھڑ کاٹے تو میری توجہ دوسرے تمام خیالات سے الگ ہو کر نیش زنبور پر مرتکز ہو جائے گی۔ اگر لائڈ مارگن کے تموج شعور کے تصور سے کام لیا جائے تو

زنبور کے وارد ہونے سے قبل میرے شعور کی لہر کم و بیش حسب ذیل تھی:—

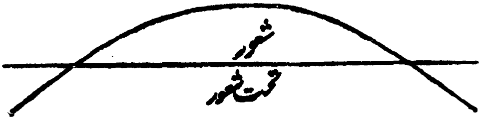

نیش زنبور نے میرے شعور کی لہر کو تقریباً یوں بدل دیا:—

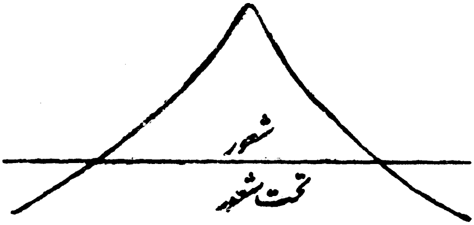

یہاں گویا چوٹی یعنی نیش زنبور پر توجہ مرتکز ہے:—

جب ہم کسی شے کا تصور کرتے ہیں تو ہماری توجہ اس شے کی خاطر مبذول نہیں ہوتی بلکہ اس احساس اور جذبی لوازمہ کی خاطر جو اس شے سے وابستہ ہیں منعطف ہوتی ہے۔ یہ فقرہ پہلی نظر میں عجیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر نیش زنبور سے ہم کو تکلیف محسوس نہ ہوتی تو ہم اس کو دھیان میں نہ لاتے۔ یہ آسانی سے سمجھ میں بھی آتا ہے کہ میں نیش زنبور کی طرف محض اس کی خاطر نہیں بلکہ اس لئے توجہ کرتا ہوں کہ اس سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے۔ اسی طرح اگر اس خیال کی طرف میری توجہ

مبذول ہو کہ کسی نے میرے لئے دولت چھوڑی ہے تو اس کی وجہ دولت نہیں ہوتی. بلکہ وہ خوشی اور مسرت ہوتی ہے جو دولت کے خرچ کرنے کے خیال سے میرے دل میں پیدا ہوئی ہے - اگر دولت کے بارے میں مجھے کوئی احساس نہ ہوتا تو یہ خیال میری توجہ کو اپنی طرف نہ کھینچتا - میں اپنے خیالات کی تقسیم محض ان کی ذاتی اہمیت کے اعتبار سے نہیں. بلکہ ان کے جذباتی لوازمہ اور تاثر کے لحاظ سے جو میرے دل میں پیدا ہوتے ہیں کرتا ہوں-

اس جذباتی لوازمہ کے ساتھ دلچسپی بھی ہمیشہ موجود رہتی ہے اور جیسا کہ ہم اوپر کی مثالوں میں دیکھ چکے ہیں دلچسپی پُرلطف بھی ہو سکتی ہے اور لُطف سے خالی بھی - جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں مضمون میں مجھے دلچسپی ہے - عموماً اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی دلچسپی لطف سے پُر ہے - لیکن یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ دلچسپی کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے - ہم کسی چیز کی جانب توجہ کرتے ہیں اور اس میں ہم کو دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے - یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ دلچسپی کے پیدا ہونے کے بعد ہم نے توجہ نہیں کی. بلکہ توجہ اور دلچسپی بیک وقت پیدا ہوئی - توجہ اور دلچسپی دونوں خیال کے خواص ہیں - گویا اس کے دو رُخ یا پہلو ہیں - ایک کا وجود دوسرے کے بغیر ممکن نہیں اور بغیر وقوف یا عقلی بنیاد یعنی خیال کے

توجہ کا وجود ممکن ہے اور نہ دلچسپی کا۔ اگر میں گانے کی محفل میں شرکت کے لئے جاؤں اور نغمہ کی جانب توجہ کروں تو اس سے مجھے حظ ملتا ہے۔ اگر میری توجہ محض حظ کی طرف موسیقی کو خارج کرکے مبذول ہے تو میرا حظ غائب ہو جائیگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلاواسطہ حظ حاصل نہیں ہوتا۔ اگر اس کی کوشش بھی کی جائے تو اس میں ناکامی ہوگی۔ حظ محض بالواسطہ یعنی کسی خیال کے متلازم ہونے کی حیثیت سے حاصل ہو سکتا ہے۔

توجہ کی تین قسمیں ہیں۔ انفعالی۔ فعلی اور ثانوی انفعالی۔

بعض مظاہرِ قدرت ہماری توجہ کو زبردستی اپنی طرف کھینچتے ہیں اور ہم مجبور ہیں کہ ان کی جانب توجہ کریں۔ خواہ ہم اس کے لئے تیار ہوں یا نہ ہوں۔ ایسے مظاہر شدید کرب والم، تیز روشنی، بلند آواز، شوخ رنگ اور متحرک اشیاء وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ ہم ان چیزوں کی طرف خود بخود بغیر کسی شعوری کوشش کے انفعالی توجہ کے عمل کے ذریعہ سے ملتفت ہوتے ہیں۔

بخلاف اس کے ایسے بھی مواقع پیش آتے ہیں کہ ہم اپنے اوپر جبر کرکے اور شعوری کوشش کے ساتھ ذہن کو کسی شئے پر جماتے ہیں۔ اس کو فعلی توجہ کہتے ہیں۔ انفعالی توجہ میں ہم اپنے آپ کو توجہ کی رو کے ساتھ بہنے دیتے ہیں۔ یا جارج ایلیٹ کے الفاظ میں "حالات کا جو کچھ تقاضا ہو ہم اس

کو تسلیم کر لیتے ہیں۔" فعلی توجہ میں ہم اپنا راستہ آپ تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ہم گوارا کریں کہ حالات ہم کو موافق بنالیں ہم خود ان کو اپنے موافق بنا لیتے ہیں۔ فعلی توجہ اپنے آپ پر قابو پانے کا ذریعہ ہے۔ وہ ہم کو بھٹکنے اور لاپروا ہونے سے جو ذہنی اور اخلاقی زندگی کے لئے ضرر رساں ہے محفوظ رکھتی ہے۔

فعلی توجہ ایک حد سے گزر کر ثانوی انفعالی توجہ ہو جاتی ہے۔ ایک عالم نباتات کسی ننھے پودے کے امتحان میں اس قدر مستغرق ہو سکتا ہے کہ اگر ایک جنگلی بیل اس کے پاس پہنچ کر خوفناک آواز نکالے تو وہ نہیں سنے گا۔ پودے کی ذات میں کوئی ایسی بات نہ تھی کہ اس کے شعور کو اس طرح جذب کر لیتا۔ اور فطری ارتسامات کی فہرست ان کی اہمیت کے لحاظ سے ترتیب دی جائے تو مہیب آواز سب سے اول رہتی۔ اس کے باوجود پودے کو کس طرح فوقیت حاصل ہوئی؟ یہ عمل غالباً حسبِ ذیل طریقہ پر ہوا:— جس وقت نباتات کے عالم نے نباتات کے مطالعہ کی ابتدا کی تو اُسے فعلی توجہ سے کام لینا پڑا اور اُسے اپنے اس جد و جہد کا شعور بھی تھا۔ لیکن جیسے جیسے پودوں کے متعلق اُس کی معلومات میں اضافہ ہوتا گیا اسی قدر آسانی توجہ کے قائم کرنے میں پیدا ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آ گیا کہ اُسے توجہ نہ کرنے سے توجہ کرنا

زیادہ سہل معلوم ہوا اور پودوں کی نسبت ایک قوی ثانوی انفعالی توجہ پیدا ہوگئی۔ ہربارٹ کی اصطلاح میں پودوں کی نسبت اس کی ثانوی انفعالی توجہ اسی وقت ایک محرکہ قوت بنی جب کہ اس کا ادراکی مواد ان کے متعلق زبردست ہوگیا۔ تعلیم کے عام مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ ثانوی انفعالی توجہ کی نشو ونما کیجائے۔ یہ اُسی وقت ممکن ہے جب قوی ادراکی مواد کی نشوونما ہو تا کہ آگے چل کر کوئی واقعہ اس مواد سے متعلق پیش ہو تو وہ بلا ارادے کو کام میں لائے اپنی توجہ کو بیدار کرسکے۔

ٹشنر (Titchener) کہتا ہے کہ "ثانوی انفعالی توجہ انسانی ترقی کے لئے ایک خاص اور ضروری شرط ہے۔ کسی کام کو جس قدر قاعدہ اور عادت کا تابع بنایا جائیگا اُسی قدر طاقت سے اس کام کو ذہن انجام دے گا۔ اسس طریقہ سے کام بتدریج ہلکا اور آسان ہو جاتا ہے اور نئے کام کا موقع ملتا ہے۔ پس فعلی توجہ ایک بیکار سا ابتدائی دور ہے جس سے نجات حاصل کرنی چاہئیے۔ اس کے ساتھ ہی ہر متنفس کو اس سے گزرنا بھی ضروری ہے۔ بلکہ اگر اپنے علم کو وسیع کرنا اور سیرت کو صحیح طریقہ پر تشکیل دینا مقصود ہو تو ایک مرتبہ نہیں بلکہ بار بار گزرنا ناگزیر ہے۔ جو بچہ اس کو طے نہیں کرتا وہ جانور کی طرح رہے گا۔ اس کے گرد و پیش

جو کوئی عجیب یا غیر معمولی واقعہ پیش آئے اس پر وہ مطلق قابو نہیں پا سکے گا اور ان چیزوں کا کھلونا بن جائے گا۔ جو اشخاص اپنے ماحول کو قابو میں لاکر اس حیوانی دنیا سے ارفع و اعلیٰ انسانی کمال کو پہنچنے کی خواہش رکھتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ فعلی توجہ کی جنگ میں فتحیاب ہوں۔"

توجہ کے عمل کے ساتھ بعض جسمی تبدیلیاں بھی رُونما ہوتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں جب ہم کسی شئے پر توجہ کرتے ہیں تو کوئی خاص جسمی وضع اس موقع پر اختیار کرلی جاتی ہے۔ تاکہ اس آلۂ حس کے استعمال میں جو کسی شئے کی تحریک سے متاثر ہوا ہے وہ ہم کو مدد دے۔ ہم اپنے سر کو مضبوطی کے ساتھ کسی خاص حالت میں قائم کر لیتے ہیں، سانس کی آمد ورفت ہموار ہو جاتی ہے اور ہمارا قلب تیزی اور زور سے چلنے لگتا ہے۔ یہ تبدیلیاں تین قسم کی ہیں۔ محرک روعیہ یعنی دوران خون کی تبدیلی۔ تنفسی یعنی سانس کی آمدورفت میں تبدیلی۔ حرکی یعنی عضلاتی تناؤ میں تبدیلی۔

کوئی موزوں جسمی وضع اختیار کرنے سے اکثر ہم کو توجہ کے ذہنی عمل میں مدد ملتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہم بلاواسطہ اپنے قلب کی حرکت پر قابو نہیں پا سکتے۔ لیکن سانس اور عضلات کو قابو میں لا سکتے ہیں۔ آرام کرسی پر چین سے لیٹ کر کوئی شخص اہم دماغی کام نہیں کر سکتا۔ عضلات کو

کس لینے اور ہموار طریقہ پر سانس لینے سے توجہ خود بخود کام کرنے لگتی ہے۔

تھرنگ (Thring) کہتا ہے کہ اگر کوئی لڑکا عدم توجہی کی جسمی حالت یا وضع اختیار کرے اور اس سے اس کو باز نہ رکھا جائے تو کوئی چیز اس کو متوجہ نہ کرسکے گی۔ پروفیسر اسٹاوٹ (Stout) کو اس امر سے انکار ہے کہ عضلاتی فعل اور توجہ میں کوئی علت و معاول کا رابطہ ہے۔ لیکن باوجود اس کے وہ اس تعلق کو ایک حد تک تسلیم بھی کرتا ہے۔ اس کا بیان ہے کہ "عضلاتی تلازمات سے توجہ کے قیام میں مدد ملتی ہے۔ لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا متلازم ہونا قیام توجہ کے لئے لاینفک جز نہیں" تاہم اِس سے قیام توجہ میں عضلاتی تلازمات کو جو تعلیمی اہمیت حاصل ہے اس میں کوئی قابل لحاظ کمی نہیں ہوتی۔

جسمی وضع کے ضمن میں لینگ جیمس (Lange-James) کے عجیب و غریب نظریہ کا ذکر یہاں برمحل معلوم ہوتا ہے۔ جذبہ اور اظہار کے تعلق کے بارے میں عام طور پر جو خیال ہے اس کو یہ نظریہ بالکل پلٹ دیتا ہے۔ اس کی رو سے "محرک واقعہ کے ادراک سے جسمانی تبدیلیاں بلا واسطہ پیدا ہوتی ہیں اور اس تبدیلی کے وقت ہم کو ان کا جو احساس ہوتا ہے اُسی کا نام جذبہ ہے۔ عام رائے یہ ہے کہ ہم کوئی مسرّت بخش نظارہ کو دیکھ کر پہلے محظوظ ہوتے اور پھر ہنستے ہیں۔ لیکن لینگ جیمس کے نظریہ کے

مطابق ہم نظارہ کو دیکھ کر پہلے ہنستے اور پھر محظوظ ہوتے ہیں۔ کوئی شخص ہم کو مارتا ہے تو ہم پہلے مٹھی بند کرتے اور اس کے بعد غصہ میں آتے ہیں۔ ہم کسی دیوانہ کتے کو اپنے قریب آتا ہوا دیکھ کر دوڑنے لگتے ہیں اور اس کے بعد ہم کو خوف کا احساس ہوتا ہے۔

اگر اس نظریہ میں کوئی صداقت ہے تو اس سے ہمکو اپنی عملی زندگی کی رہنمائی میں بہت بڑی مدد ملے گی۔ مسرّت کا چہرا بنانے سے ہم کو مسرت حاصل ہوگی اور بشاش شکل اختیار کرنے سے ہم کو زندہ دلی میں مدد ملے گی۔ اور اگر ہم ڈر یا غصہ کے تمام جسمی آثار کو مٹا دیں تو ہمارا غصہ یا ڈر دور ہو جائے گا۔ ایک حد تک اس اصول پر عمل بھی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص غصہ سے بات کرے تو جواب دینے سے قبل ہم بیس تک گنتے اور تھوڑی دیر تامل کر لیتے ہیں۔ گننے کا عمل ان عضلاتی حرکتوں کو باز رکھتا ہے جو انتقام کے احساس کا مقدمہ ہیں۔ اور اگر ہم ان خارجی اور اندرونی حرکات کو دور کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ہمارا غصہ فرو ہو جائیگا۔ جب آدھی رات کو کسی قبرستان سے ہمارا گذر ہوتا ہے تو ہم سیٹی بجانے لگتے ہیں۔ سیٹی بجانے کا فعل ان عضلاتی حرکتوں کو روکتا ہے جو ڈر کی حالت کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ اور اگر ہم ان خارجی اور اندرونی ہردو قسم کی حرکتوں کو بالکل دور کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ڈر بھی

مفقود ہو جاتا ہے - اگر ہمیں کسی اہم معاملہ میں ایک بڑے آدمی سے ملاقات کی ضرورت ہو تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس ملاقات کے لئے جس دلجمعی اور استقلال کی ضرورت ہے وہ معدوم ہے - ہم دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ یہ تو ٹھیک نہیں - اس کے بعد ہم اپنے شانوں کو سیدھا کرتے اور سینہ کو اُبھارتے ہیں اور زمین پر پاؤں مارتے ہیں - اس شخص کی طرح جو اپنے ارادہ کو جانتا ہے اور اپنی بات پر تُلا ہوا ہے - اس بدنی وضع سے حسب دلخواہ احساس کے مکرر حاصل کرنے میں ہمیں مدد ملتی ہے اور ہم آنے والی مہم کے لئے پوری طرح تیار ہو کر کمرے میں داخل ہوتے ہیں - اس ضمن میں ناٹک میں تحربہ کے متعلق مواد جمع کرنا اور اس کو ترتیب دینا سبق آموز ہوگا - کہا جاتا ہے کہ اس امر کا کافی ثبوت موجود ہے کہ جو اشخاص ایک عرصہ تک ناٹک میں رذیل شخص کا رنگ بدلتے رہے ہیں اور چہرے پر ویسی ہی کیفیات اختیار کرتے رہے ہیں آخر میں ان کا یہ حشر ہوا کہ اُن کا اخلاقی شیرازہ بکھر گیا -

اب ہم توجہ کے اصل مبحث کو دوسری طرف پھیرتے ہیں - سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم کسی ایک ہی شئے پر دیر تک توجہ قائم نہیں رکھ سکتے - توجہ کی رو میں سریع مدوجزر ہے - آن واحد میں شاید مسلسل تیس سکنڈ سے زیادہ توجہ کا قائم رکھنا ممکن نہیں - اور اس کا اوسط زیادہ

سے زیادہ پانچ یا چھ سکنڈ ہے جب ہم بظاہر کسی چیز پر متواتر توجہ کر رہے ہوں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہماری توجہ اس شئے کی مختلف صورتوں یا شکلوں پر مبذول ہے اور باری باری سے ہماری توجہ اس شئے کے مختلف پہلوؤں پر جنبیدگی اور تڑپ سے منتقل ہوتی رہتی ہے - کسی کتاب کو ہم گھنٹوں پڑھتے ہیں لیکن موضوع برابر بدلتا رہتا ہے اور خیالات پُر سرعت تواتر کے ساتھ ذہن میں آتے ہیں - اور توجہ ایک شعلہ کی مانند قائم رہنے کے بجائے شراروں کی طرح باری باری سے چمک دمک دکھاتی اور کام کرتی رہتی ہے -

ارادی کوشش سے انسان کسی خاص خیال پر اپنی توجہ کو جما سکتا ہے لیکن اس کو وہ دیر تک قائم نہیں رکھ سکتا - اگر وہ خیال کسی قوی ادراکی مواد کا جزو ہے تو توجہ ایک جزئی خیال سے دوسرے جزئی خیال کی طرف منتقل ہوگی اور اس طرح ممکن ہے کہ ہم ایک ہی موضوع پر کافی وقت تک اپنی توجہ کو قائم رکھ سکیں - اعلیٰ دماغ رکھنے والے اشخاص جن کے ذہن بیش قیمت ادراکی مواد سے خاص طور پر معمور ہیں وہ اس طور پر اپنے کسی پسند خاطر خیال کے مختلف پہلوؤں اور ان کے تعلقات کی سوچ بچار میں کئی کئی دن تک مستغرق رہ سکتے ہیں - لیکن عام لوگ جن کی تعلیم واجبی ہوئی ہے وہ آنِ واحد میں کسی ایک موضوع پر نصف

منٹ سے زیادہ دیر تک غور نہیں کر سکتے۔ ایک مدبر سلطنت کسی معاملہ
پر دس گھنٹہ تک مسلسل غور کر سکتا ہے۔ لیکن ایک کسان مسلسل دس
سکنڈ سے زیادہ غور نہیں کر سکے گا۔ پس توجہ کے قائم رکھنے اور محض متوجہ
ہونے میں نمایاں فرق ہے۔ جس کے لئے قوی ادراکی مواد کی فراہمی کی
ضرورت ہے۔

دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ ہم وقت واحد میں کئی چیزوں پر توجہ
نہیں کر سکتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک وقت میں دو کام نہیں
ہو سکتے۔ مثلاً ایک نقاش وقت واحد میں نقاشی کر سکتا ہے۔ سگریٹ
یا چرٹ پی سکتا ہے اور باتوں میں بھی مصروف رہ سکتا ہے۔ گھر کی بیوی
اس سے زیادہ کام کر سکتی ہے۔ وہ سیتی اور اخبار پڑھتی ہے۔ جھولا جھلاتی
اور چولھے پر چڑھے ہوئے کھانے کی بو کو سونگھتی اور اپنے شوہر کے پاؤں
کی آہٹ بھی سن سکتی ہے۔ یہ سب کام ایک ہی وقت میں ہوں گے۔ ہم ایک
کام نہیں بلکہ دو دو تین تین بلکہ چار چار اور پانچ پانچ کام بہ یک
وقت کر سکتے ہیں بشرطیکہ ان میں سے بعض کی عادت ہو اور ان کے لئے
زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ لیکن اگر اس کام کی عادت نہ ہو تو
بظاہر ایسا معلوم ہوگا کہ توجہ تمام چیزوں پر ہے۔ مگر حقیقت میں وہ جلد جلد
ایک سے دوسرے کی طرف بھٹکے گی۔ وقت واحد میں دو کام کرنے سے

وقت کی بچت ہوتی ہے بشرطیکہ ہمیں کسی ایک کام کے کرنے کی ایسی عادت ہو کہ وہ مشین کی طرح کیا جا سکے۔ جب دونوں کام کے لئے توجہ پر کافی بار پڑے تو وقت کی کوئی بچت نہ ہو گی۔

توجہ کی عضویاتی کیفیات دلچسپ ہیں۔ ہمارے اعصاب جو حسّی آلات سے دماغ تک چلے گئے ہیں ان کا جال ریل کی سڑک کی طرح بچھا ہوا ہے۔ پہلے دماغ کے نچلے مرکزوں میں جہاں خاکستری مادّہ ہے ان اعصاب کے جنکشن بنتے ہیں پھر ان جنکشنوں سے اعصاب پھیلتے ہیں اور آگے چلکر ہم مرکز ہو جاتے ہیں۔ اس مرتبہ ان کا اتصّال دماغ کے قشر کے مختلف مرکزوں میں ہوتا ہے۔ ان دونوں جنکشنوں سے بلا واسطہ یا دماغ کے نچلے مرکزوں کی مدد سے دوسرے راستے کھلتے ہیں جو عضلات تک پہنچ جاتے ہیں۔ کسی مضمون میں جب ہماری ترقی ابتدائی حالت میں ہوتی ہے تو بیرونی مہیج راست قشری مرکزوں کا ٹکٹ لیتا ہے اور یہ مرکز عضلات کو حرکی ہیجان پہنچاتے ہیں۔ جب اس تہیج کی عادت ہو جائے تو مسافر دماغ کے نچلے مرکزوں کے جنکشن یعنی خاکستری مادّہ سے شاذو نادر ہی آگے بڑھتا ہے۔ بالفاظ دیگر وہ شعور تک پہونچتا ہی نہیں۔ بلکہ تحت کے دماغی مرکز امداد کے بغیر عضلات تک راست پیام پہنچاتے ہیں اور قشر دماغ کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس مسّرت بخش انتظام سے ذہنی

قوت پر بہت کم بار پڑتا ہے۔ مثلاً جب ہم پیانو بجانا سیکھتے ہیں ہم کو اس بات کے معلوم کرنے کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے کہ کتاب کا کونسا لفظ باجے کے کونسے سُر کے مطابق ہے اور کس سُر پر کونسی خاص اُنگلی رکھی جائے۔ لیکن جیسے جیسے ہم کو مشق ہوتی جاتی ہے پیانو بجانا ہمارے لئے ایک قشری فعل یعنی معمولی اور آسان کام رہ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سارے تہیجات قشر تک پہنچتے ہی نہیں۔ اور نہ ان سے شعوری توجہ پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ تہیجات تحت کے دماغی مرکزوں سے ہاتھوں اور انگلیوں کی طرف راست منعکس ہوتے ہیں۔ اس طرح ہمارے لئے آسان ہوجاتا ہے کہ موسیقی میں جو کیفیت رکھی گئی ہے اس پر ساری توجہ مبذول کریں اور بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ اس کیفیت کو ظاہر کرسکیں۔

عضویاتی عمل میں ایک مزید پیچیدگی ہے۔ اعصاب قشر دماغ کے مرکزوں سے درمیانی حصوں کی جانب دوڑتے ہیں۔ جن کا نام فلیچ زگ (Flechsig) کے تلازمی رقبات ہے۔ ادراکی مواد کی تعمیر کا مدار ان ہی تلازمی رقبات پر ہے۔ اگر کوئی مواد بڑا اور منظم حالت میں ہو تو قشری مرکز پر کوئی مہیج پہنچتے ہی تلازمی رقبات میں پیچ در پیچ رو جاری ہوتی ہے۔ اور ان آخر الذکر تہیجات میں سے ہر ایک تہیج کے ساتھ خیال کا ایک دوسرا پہلو ظہور میں آتا ہے۔

جن اشخاص میں فطرتاً عدم توجہی کا نقص ہے ان کے لئے یہ امر باعث تسلّی ہے کہ انسان کی خواہش اس کے جذبہ کی شدت اور دلچسپی کی قوت غالباً اس کے ارادہ سے زیادہ اہم ہے۔ جیمس کہتا ہے کہ "توجہ کی یکسوی۔ حافظہ۔ قوت۔ استدلال۔ اختراعی قوت اور حواس کی خوبی یہ سب انسانی جذبہ اور خواہش اور دلچسپی کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ کسی شخص کے تلازمات کتنے ہی منتشر کیوں نہ ہوں لیکن اگر اس کو کسی موضوع سے حقیقی لگاؤ ہے تو اس کا ذہن تنہا آوارہ گردی کے بعد اس موضوع پر عود کرے گا اور ابتدا سے انتہا تک وہ اس میں زیادہ کمال حاصل کرے گا۔ اور اس سے بہتر نتائج نکالے گا۔ بہ نسبت اُس شخص کے جو کسی خاص وقت میں تو اس پر زیادہ مسلسل طریقہ پر توجہ کرتا ہے۔ لیکن اس کا جوش مقابلتاً دیرپا نہیں بلکہ ضعیف ہے۔ اعلیٰ درجہ کے کارگزار اشخاص میں جن سے میں واقف ہوں بعض ایسے بھی ہیں جن کے ذہن میں غیر معمولی انتشار ہے۔ میرے ایک رفیق نے جو بہت کام کرتے ہیں مجھ سے یہ اقبال کیا کہ جب کبھی کسی موضوع پر میں اپنے خیالات کو اکٹھا کرنا چاہتا ہوں تو میں کوئی اور کام کرنے بیٹھ جاتا ہوں اور میرے ذہن کی آوارہ گردی سے بہترین نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ شاید ان کی طرف سے اس میں ظرافت آمیز مبالغہ ہو۔ لیکن حقیقت میں میرا یہ خیال ہے کہ اگر کسی شخص میں مذکورہ

بالاذہنی کمزوری ہو تو اس کو پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے دماغ کو آرام نہ ملنے سے وہ بے چین اور منتشر ہو۔ لیکن اس کے باوجود وہ اعلیٰ دماغ ہو سکتا ہے۔"

پندرھواں باب

دلچسپی

ہم گزشتہ باب میں دیکھ آئے ہیں کہ دلچسپی اور توجہ ایک طرح سے وقوف یا خیال کے دو رُخ ہیں۔ جتنی ہماری دلچسپی کسی چیز سے زیادہ ہوتی ہے اسی قدر ہماری توجہ اس پر زیادہ مبذول ہوتی ہے۔ انسان کے لیئے شاید سب سے بڑھکر اہم شے خود اس کی ذات ہے اور یہی سبب ہے کہ وہ فطرتاً اپنے معاملات میں سب سے زیادہ توجہ کرتا ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ توجہ جتنی زیادہ ہوتی ہے دلچسپی بھی اُتنی بڑھتی جاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک لڑکا جس سے جھولا جھلایا جاتا ہے اپنے کام میں توجہ زیادہ کرنے پر بھی دلچسپی میں زیادتی نہیں پاتا، بلکہ اس کو تو اس سے نفرت رہتی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ پیچھا چھڑا کر کرکٹ کے کھیل میں شریک ہو جائے۔ میرا اپنا یہ حال ہے کہ جتنا زیادہ میں اپنے جاذب کاغذ کے تختے کے دھبہ پر متوجہ ہوتا ہوں اتنی ہی کم مجھے اس سے دلچسپی معلوم ہوتی ہے۔ مدرسین اکثر مضمون میں دلچسپی پیدا کرنے کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن سے یہ نہیں ہو سکتا۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ کر سکتے ہیں کہ ادراکی مواد کو فراہم کریں جس کا لازمی لوازمہ

دلچسپی ہوگی۔ دراصل وہ دلچسپی کو راستہ پر لگا سکتے ہیں۔ دلچسپی پیدا نہیں کرسکتے۔

ابتدا میں بچے کی دلچسپی بالکل انفعالی یا یوں کہنا چاہیئے کہ غیر ارادی ہوتی ہے۔ وہ بلند یا خوش آیند آواز پر کان دھرتا ہے۔ جگمگاتے شوخ رنگ، تیز روشنی، متحرک اشیا، سنسنی خیز واقعات اور اسی قبیل کی اور چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اس نوبت پر مدرس کو چاہیئے کہ مشاہدہ کے لیئے مناسب اشیا فراہم کرے اور بچے کی توجہ کو ان پر لگائے۔ بہت سے وحشی لوگ اور تہذیب یافتہ ممالک کے بھی بعض آدمی پہلی منزل سے زیادہ آگے نہیں بڑھتے۔ سنسنی پیدا کرنے والے ناول اتنے ہر دلعزیز نہ ہوتے اگر ان کے پڑھنے والوں کی کثیر تعداد مدارج دلچسپی کی ابتدائی منزل میں نہ ہوتی۔

دوسری منزل پر مدرس انعام اور سزا کا خیال پیش کرتا ہے۔ یعنے وہ سزا و انعام کے خیال کو دوسرے خیالات سے جو فطرتاً کم دلچسپ ہوتے ہیں جیسے ضرب دینے کا پہاڑا ملا دیتا ہے۔ اور جو چیز واقعی روکھی پھیکی ہوتی ہے وہ دوسری چیز کی بدولت دلچسپ بن جاتی ہے۔ اس طرح جو چیزیں بطور خود دلچسپ نہیں ہوتیں وہ بعض دوسری دلچسپ چیزوں سے دلچسپی حاصل کرتی ہیں۔ اور یہ دلچسپی اسی قدر حقیقی اور قوی ہوتی ہے،

جس قدر کہ فطرتاً دلچسپی رکھنے والی چیز کی ہوتی ہے - انسان کے لیے سب سے بڑھکر دلچسپ چیز خود اسی کا ایغو ہے - جوں ہی کوئی چیز اس کے ذاتی اغراض سے وابستہ ہو جاتی ہے فوراً اُسکی پوری توجہ مبذول کرانے کا باعث ہوتی ہے - کسی آوارہ گرد کے جوتے کی ٹوٹی ہوئی ڈوری سے مجھے دلچسپی نہیں ہوتی - لیکن یہ ڈوری اگر میری ہے تو پھر بات کچھ اور ہو جاتی ہے - ایغو کا دلچسپ خیال کام کی پستی کو بہت ہلکا کرتا ہے - اور اس کو قابلِ برداشت بناتا ہے - جب ہم یہ یاد کرتے ہیں کہ ایک دلچسپ خیال کے ساتھ بہت سے تلازمات ہوتے ہیں یا ہربارٹ کی اصطلاح میں ہر دلچسپ خیال ادراکی مواد کا ایک جزو ہوتا ہے اور یہ کہ وہ نہ صرف اپنے ساتھ اپنی دلچسپی رکھتا ہے بلکہ تلازمی خیالات کو بھی متاثر کرتا ہے تو خشک سے خشک مطالعہ کو کچھ نہ کچھ دلچسپ بنانے کے متعلق ہم کو مایوس نہ ہونا چاہیئے - دوسری یعنی تلازمی منزل پر تعلیم کا اثر ظاہر ہونے لگتا ہے -

تیسری یا آخری منزل جو ثانوی انفعالی دلچسپی کی منزل ہے اس میں ادراکی مواد اس طرح منظم ہوتا ہے کہ توجہ کم سے کم کوشش اور دلچسپی سے قائم رکھی جاسکتی ہے - تعلیم یافتہ شخص کی دلچسپیاں اکثر ثانوی انفعالی قسم کی ہوتی ہیں - وہ بتدریج بڑھائی گئی ہیں - اور ایک معنے سے انہیں مصنوعی سمجھا جاسکتا ہے - یہ صدا کہ "سادہ زندگی کی طرف لوٹ چلو"

اگر اس سے مراد حیاتِ حسّی، غیر ارادی دلچسپی اور ارادی کوشش کی زندگی کی طرف لوٹنا ہے تو پھر یہ قدم تنزل کی طرف ہے اور نفسیات کے اصول غلط فہمی پر مبنی ہے۔

ھربارٹ کے قانون دلچسپی پر مختلف اعتراضات کئے گئے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قانون خود غرضی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دلچسپی جس کی حمایت ھربارٹ کرتا ہے تنگ اور انفرادی قسم کی نہیں بلکہ وسیع اور عام قسم کی ہے۔ مزید براں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دلچسپی ہمیشہ حظ کا مترادف نہیں ہوتی۔ جارج ایلیٹ ھربارٹ کے مفہوم کو حسب ذیل الفاظ میں جو رومولا (Romola) سے لئے گئے ہیں اچھی طرح ظاہر کرتی ہے۔

"اپنی معمولی خوشیوں کے شدید انہماک سے ہمیں جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ نہایت ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ اعلیٰ درجہ کی لذت جیسے کہ بڑے آدمیوں کی ذات سے وابستہ ہوتی ہے، وسیع خیالات اور اپنے علاوہ دنیا اور بنی نوع انسان کے لئے گہرا احساس رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس قسم کی لذت اکثر اتنا ہی رنج اپنے ساتھ لاتی ہے مگر ہم اسے رنج سے یوں امتیاز کر سکتے ہیں کہ ہم دل میں اچھا سمجھ کر اس کا انتخاب کرنے کے خواہشمند ہیں"

کبھی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دلچسپی اخلاقی تار پود کو کمزور کردیتی ہے۔ اور اس خیال کے طرفدار لوگ یہ بتلاتے ہیں کہ اگر ہم مدرسہ کے سارے مضامین کو دلچسپ بنادیں اور لڑکوں کو صرف دلچسپ کام کا عادی بنادیا جائے تو ہم ان کو مدرسہ سے باہر وسیع دنیا میں بغیر تیاری کے بھیجیں گے جہاں ان کو غیر دلچسپ کام انجام دینے کی ضرورت پڑے گی۔ اور غریب لڑکے زندگی میں ہمیں اور ہمارے قانون دلچسپی کو برُے نام سے یاد کیا کرینگے۔ بالفاظ دیگر اگر ہم طلباء کو مدرسہ میں بے مزہ مشقت کے کام کا عادی نہ بنائیں تو وہ کاروبار دنیا میں کس طرح بے مزہ مشقت کا مقابلہ کرسکیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر بارٹ کے طرفدار یہ نہیں چاھتے کہ بے مزہ کام مدرسہ سے بالکل ہی معدوم کردیا جائے۔ بلکہ وہ اس میں ایک مطلب یا دلچسپی پیدا کرنا چاھتے ہیں؟ چکی چلانے کی طویل مشقت، قیدی کو محبس سے باہر آنے کے بعد اینٹ بنانے کے سخت کام کے لیۓ تیار نہیں کرتی۔ بلکہ اُلٹا اس کے جوش کو ٹھنڈا کردیتی ہے۔ مشقت کی مثال پاؤں چکی ہی رہیگی تاوقتیکہ اس میں آپ ایک بات ایک معنی نہ پیدا کریں۔ اور دلچسپی کے خیال کا اضافہ نہ کریں۔ دلچسپی کے معنے کوشش کا فقدان نہیں ہے۔ اس قسم کا خیال کہ دلچسپی سے کوشش مفقود ہے اس مغالطہ کی تہ میں پنہاں ہے کہ دلچسپی انسان کو کمزور بنا

دیتی ہے۔

میں اپنے لڑکپن میں ایک کسان کے قریب رہا کرتا تھا جس نے ہربارٹ کا نام بھی نہ سنا تھا۔ لیکن وہ مشقت اور دلچسپی کے باہمی تعلق کے بارے میں ہربارٹ کے قانون پر اچھی طرح حاوی تھا۔ ہر رات کو اپنے گھوڑوں کے لئے اُسے کچھ چارہ کاٹنا پڑتا تھا۔ چونکہ چارہ کاٹنے کی مشین کے دستے کو پھرانا، اکتا دینے والے مشاغل میں سے ہے اس لئے وہ اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے آس پاس نظر دوڑایا کرتا تھا۔ اس وقت ہم چند لڑکے جن کی تعداد نصف درجن تھی اصطبل کے اطراف کھیلتے کھیلتے آجایا کرتے تھے۔ کسان ہم سب کو بلا کر اپنی طاقت کے چند خوشنما کرتب دکھایا کرتا تھا۔ وہ قوی آدمی تھا اور چھپّن پاؤنڈ وزن کی چیز اس طرح پھیر سکتا تھا جیسے ہم ناریل پھیر سکتے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ میں جو کچھ کرتا ہوں کیا تم بھی کرنا چاہتے ہو؟ ہمارے اشارہ پر اس نے کہا بہت اچھا تو میں تم کو سکھاؤں گا۔ سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تم اپنے بازوؤں کی مچھلیوں کو بناؤ اور اس کے لئے چارہ کاٹنے کی ورزش سے بہتر کوئی اور ورزش نہیں ہے۔ ہم لوگوں نے چارہ کاٹنا شروع کردیا۔ یہ وہ کام تھا جس سے ہم پہلے یقیناً متنفر ہوتے۔ پہلے دن اگر ہم دستے کو سو مرتبہ بغیر دم لئے پھرا سکے اور دوسرے دن ایک سو دس مرتبہ تو ہماری خوشی کا ٹھکانا نہ تھا اور ہمارے

باہمی امتیاز کا حساب دستہ کے پھرانے کے شمار سے ہوتا۔ اب گیہا چارہ کاٹنا محبوب مشغلہ ہوگیا۔ اور ہر روز صبح کو ہم جسمانی تعلیم کا اکھاڑا کھلیان میں جمایا کرتے اور اگر اس موقع پر ساری بستی کا چارہ ہمیں کاٹنے کے لئے مل جاتا تو ہم اس کے لئے ممنوں ہوتے۔ لیکن یہاں یہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سب کچھ محض خبط نہیں تھا بلکہ دلچسپی کے اضافہ نے ایک ہولناک کام کو ایک ایسا سرچشمہ بنا دیا تھا جس سے خوشی کی لہر سارے رگ وپے میں دوڑ جاتی تھی۔

بعض لوگ یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ قانون دلچسپی فرض منصبی کے احساس کی تربیت کے لئے کوئی موقع نہیں دیتا۔ اس مفروضہ سے یہ پایا جاتا ہے کہ فرائض ناگزیر طور پر غیر دلچسپ ہوتے ہیں۔ یہ مغالطہ اکثر لوگوں کے دماغ میں جاگزیں ہے۔ فطرتاً ہمارے افعال کی دو ایسی قسمیں نہیں ہیں کہ بعض ایسے افعال ہیں جنہیں ہم پورا کرنا پسند کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جنہیں ہم کو خواہ مخواہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ قرار دینا کہ افعال کی یہ دو قسمیں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں بڑی غلطی ہے اسی طرح فرض کو ناگزیر قسم کے افعال میں شمار کرنا بھی صحیح نہیں۔ جذبہ فرض شناسی کی قوت کو گھٹانے کے بجائے ہر مارٹ کے طرفدار اس کو دماغ کے ہر مجموعہ ادراک میں بحیثیت دلچسپی کے شامل کرکے اور زیادہ استوار

بناتے ہیں۔

دلچسپی کے ادراک سے متعلق ہونے کی وجہ سے یہ اکثر پایا جاتا ہے کہ بعض لوگ کسی شئے کی قدر دانی یا دلچسپی کے لئے جس ادراکی مواد کی ضرورت ہے اُسے بہم نہیں پہنچاتے۔ دوسرا گروہ جو کبھی اس ادراکی مواد کا قائل تھا وہ اسے کو شعور کے آستانہ سے اتنی دیر تک مسلسل دور رکھنا چاہتا ہے کہ عملی فائدہ کے لحاظ سے وہ قریب قریب مردہ درگور بن جاتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئیے کہ اشخاص زیر بحث اس دور سے بہت آگے نکل آئے ہیں جب کہ مسئلہ زیر بحث دلچسپ مانا جاتا تھا۔ ڈارون کے خود نوشتہ سوانح میں ایک عبارت ادراکی مواد کو آستانۂ شعور سے نیچے الگ تھلگ رکھنے سے متعلق ہے۔ یہ عبارت نقل کرنے کے قابل ہے اور وہ حسبِ ذیل ہے:—

"تیس سال یا اس سے زائد عمر تک نظم کی بہت سی قسمیں مجھے مسرت سے سرشار کرتی رہیں۔ لڑکپن میں بھی مجھے شکسپیر کی تصانیف خصوصاً تاریخی ڈراموں کے پڑھنے سے بہت خوشی حاصل ہوتی تھی۔ نیز پہلے میں تصویروں اور ان سے بڑھکر موسیقی میں لذت پاتا تھا۔ لیکن اب کئی سال سے نظم کی ایک سطر بھی مجھ سے پڑھی نہیں جاتی۔ اب سے کچھ پہلے میں نے شکسپیر کی تصانیف کو دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن مجھے اتنی بے لطف

معلوم ہوئیں کہ اُن سے طبیعت پھر گئی - اسی طرح اب تصویر اور موسیقی کا ذوق بھی میں کھو بیٹھا - معلوم ہوتا ہے کہ میرا دماغ ایک مشین بن گیا ہے جس میں واقعات کے عظیم الشان ذخائر سے کلیات چھٹ چھٹا کر نکلتے ہیں - میری سمجھ سے یہ باہر ہے کہ اس سے میرے دماغ کا ایک حصہ کیوں مضمحل ہوگیا جس پر بہت سے عمدہ ذوق کا انحصار ہے - اگر نئے سرے سے مجھے ایک اور زندگی حاصل ہوتی تو میں ہفتہ میں ایک بار تھوڑی نظم پڑھتا اور نغمہ سننا اپنے اوپر لازم کرلیتا - کیونکہ شاید دماغ کا وہ حصہ جواب بیکار ہوگیا کام میں لانے سے درست رہتا - ان چیزوں کے ذوق کے مٹ جانے سے خوشی اور لذت میں کمی آگئی اور ممکن ہے کہ عقل کے لئے بھی مضر ثابت ہو اور اس سے بڑھکر جذبات کو کمزور کر کے اخلاقی سیرت پر بھی بڑا اثر ڈالے"

ڈارون نے اپنی اعلیٰ درجہ کی دلچسپیوں میں بعض کو ضائع جانے دیا ہم میں سے اکثر لوگ یہی کیا کرتے ہیں اور ڈارون کی طرح اُن سے خالی اور بے بہرہ رہتے ہیں - شکسپیر کے ڈراما ہملٹ میں پالونیس (Polonius) ممکن ہے کہ احمق ہو - لیکن اس میں شک نہیں کہ بعض موقعوں پر دانائی کی باتیں بھی کہہ جاتا تھا - اس نے عقل ہی کی بات بتلائی جب کہ لرٹیس (Laertes) سے اس نے کہا کہ تمہارے جو دوست ہیں اور ان میں سے جن دوستوں کی وفاداری کو تم آزما چکے ہو ان کی دوستی کو ہرگز ہاتھ سے

نہ جانے دو۔ دوست؟ اعلیٰ دلچسپیوں سے بڑھکر اور کس قسم کے دوست انسان رکھ سکتا ہے۔

کسی کتاب کی دلچسپی کا مدار کس چیز پر ہوتا ہے؟ مثلاً اس کی کیا وجہ ہے کہ اسٹی ونسن کی تصنیف میری توجہ کو جذب کئے رہے اور میرے گھر سے ملا ہوا پڑوسی اس کا ایک صفحہ نہ پڑھنا چاہے۔ اور اگر میں کتوں کے متعلق اُسے کوئی کتاب دوں تو بڑی خواہش سے پڑھے؟ گھر کی بیوی کو عشق عاشقی کے قصوں سے اور جوتے صاف کرنے والے کو کرکٹ کے مشہور کھلاڑیوں کی اوسط دوڑ کے تختہ سے کیوں دلچسپی ہوتی ہے؟ میری چھوٹی بچی پریوں کے افسانے میں غرق کیوں ہو جاتی ہے اور اس کی اُستانی دقیق لاطینی نثر کی عبارت پر کیوں فدا ہوتی ہے۔

ان سوالات سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ پہلے یہ کہ کسی کتاب کی دلچسپی کا مدار اس کے مضمون پر ہے۔ لیکن مضمون کا مواد کسی معین نہج پر ترتیب نہیں دیا جا سکتا۔ ہر ذہن کے لئے ایک مخصوص ترتیب ہوتی ہے، جو دوسرے کے لئے نہیں ہوتی۔ ہماری دلچسپیوں کا تعین ہمارے ادراک کی مواد سے ہوتا ہے۔ میرا اپنا یہ حال ہے کہ افسانہ خوانی کی جگہ فہرست میں سب سے اوپر رہیگی۔ میرے پڑوسی کی مثال میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذہب

سے پہلے کُتے کا درجہ رہے گا - دوسرے یہ کہ دماغی نشوونما میں کئی فطری مراحل ہوتے ہیں - مثلاً چھ سال کے بچے کو مابعد الطبیعات کی کتاب میں ذرا لطف نہ آئے گا - اسی طرح تیرہ سال کے صحیح و تندرست لڑکے کو عشق و عاشقی کے قصے میں مزہ نہ آئے گا - زِلرّ (Ziller) نے ان فطری مراحل کی تعداد پانچ بتلائی ہے - وہ ان کو عہود تربیت کے نام سے موسوم کرتا ہے - اگرچہ ان کا تعلق ذہنی نشوونما سے اتنا نہیں ہے جتنا کہ اخلاقی نشوونما سے ہے - اس پر بھی یہ نہو کے مختلف دور کی مناسب تعلیم کے بتلانے کے کام میں آسکتے ہیں اور یہ سمجھنے میں بھی ہمیں مدد دینگے کہ کونسے مضامین اور کس قسم کی کتابیں خاص خاص صورتوں میں موزوں یا غیر موزوں ہونگی - مراحل متذکرہ بالا حسب ذیل ہیں :—

(۱) سب سے پہلے انسان ایک طفلانہ اعتماد پر کسی مقتدر شخص کا تابع ہو جاتا ہے -

(۲) اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ اس کے اپنے خیالات اسی دائرہ میں گردش کریں جس پر مقتدر شخص کی حکومت رہتی ہے -

(۳) اس اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرنا اور اس سے محبت رکھنا پڑتا ہے -

(۴) اس کو اقتدار کی خدمت کی انجام دہی میں اخلاقی اور مذہبی

تہذیب و شائستگی کے مطمح نظر کی خاطر اپنی ذات کے لئے کام کرنا سیکھنا پڑتا ہے۔ نیز۔

(۵) اس بڑی ملت کے لئے جس کا آگے چل کر وہ ایک رکن بن جائے گا۔

لیکن اس کے علاوہ بھی ایک اور پہلو ہے۔ ایک مضمون کی ساری کتابیں یکساں دلچسپ نہیں ہوتیں۔ کسی کتاب کی دلچسپی کا انحصار محض مطالب پر نہیں ہوتا بلکہ طرز ادا پر بھی ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ جسم کو اپنی پرورش کے لئے خاص خاص اشیاء کی ضرورت ہے۔ یہ اجزا بڑی حد تک لکڑی کے برادہ میں موجود ہیں۔ لیکن معدہ ایسی غذا کبھی قبول نہ کرے گا۔ اس کی بربادی اس شئے سے اتنی نہ ہو گی جتنی کہ اس طریقہ سے جس سے کہ وہ اس کے سامنے لائی گئی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم بھوکے ہوں اور ہمارے سامنے عمدہ غذا موجود ہو۔ لیکن ہم اس کو ہاتھ بھی نہ لگا سکیں اگر یہ بدنما طریقہ سے رکھی گئی ہو۔ جو حال جسم کا ہے وہی حال ذہن کا ہے۔ غذا کے لئے ضروری ہے کہ وہ صورت اور معنی دونوں لحاظ سے مناسب ہو۔ ہر حال میں خرابی ان باورچیوں کی ہے جن کے ہاتھ لگانے سے بھوک پیاس رخصت اور اشتہا تباہ ہو جاتی ہے۔

غرض کہ کوئی شئے دلچسپی اسی وقت پیدا کرے گی جب کہ ہمارے

عالم خیالات میں اُسے اپنی اصلی جگہ نصیب ہو۔ ایسی چیز جو بالکل غیر مانوس ہو اور جس کو ہم اپنے موجودہ ذہنی مشمولات سے ادراک نہیں کرسکتے ہم میں جوش اور تحریک پیدا نہیں کرتی۔ پس دلچسپی کا انحصار صرف کسی نئی شئے کی حقیقت ہی پر نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے ادراکی مواد سے اس شئے کی نسبت پر بھی ہے۔

سولھواں باب

چند عملی نتائج

چونکہ دلچسپی کا تعلق باطن سے ہے اور اس کا انحصار ابتداءً ادراکی مواد پر ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مدرس کو بچّے کی ذہنی مشمولات معلوم ہوں اور وہ ذہن سے متعلق قوانین اور اصول سے بھی واقف ہو تو بڑی حد تک بچے کی فہم، جذبات اور ارادہ کی تشکیل کر سکتا ہے۔ ایک سوئٹزرلینڈ کا کسان لکڑی کو تراش کر ایسا کُتّا تراش سکتا ہے، جو بھونکنے کے قریب نظر آئے۔ لیکن میں خود اس کام کو کروں اور میری بنائی ہوئی چیز بھیڑ بھی سمجھی جائے تو میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھوں گا۔ جو حال لکڑی کو خرادنے کا ہے وہی دماغ کی تشکیل کا ہے۔ عمدہ کام باکمال ہنرداں کے ہاتھ سے ہی بنتا ہے۔ اناڑی جس چیز کو ہاتھ لگائے اُسے بگاڑ کر چھوڑیگا۔ جب یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہو گی تو مدرسین کو نہایت مستعدی اور ذمہ داری سے کام کرنا پڑیگا۔ وہ لوگ خود کو اس عہد میں پائینگے جس میں محنت کا صلہ نتائج پر منحصر ہوتا ہے۔ لیکن نتائج جن کی تلاش ہے یہ محض لکھنے پڑھنے اور حساب میں لکیر کے فقیر کی طرح صحت قائم رکھنے کا نام نہ ہوگا، نہ قدیم ادبیات کا حیرت افزا طور پر حفظ کرنا ہوگا۔

جس چیز کی ہمیں تلاش ہو گی وہ ذہنی تعمیر ہو گی۔ سب سے پہلے اور خاص طور پر مدرس سے ہماری توقع یہ ہو گی کہ بچہ کو ایسا بنایا جائے جو خاندان، سماج اور قوم میں جس کا وہ ایک فرد ہے اپنے کو مفید ثابت کرے۔

تعلیم کی صحیح کسوٹی محض مبلغ علم نہیں ہے، بلکہ پیدا کردہ دلچسپی کے انواع و اقسام اور اس کی قوت ہے۔ قابل نمونہ تعلیم یافتہ وہ شخص ہے جس کی دلچسپیاں گوناگوں ہوں۔ ایک طالب علم جو اپنے استاد کی اصطلاح میں "شکسپیر کا مطالعہ" کر رہا ہے، ہر لفظ کے اشتقاق سے باخبر ہو سکتا ہے، ہر جملہ کی تحلیل بھی کر سکتا ہے، لیکن اس پر بھی ممکن ہے کہ اپنے مضمون سے بالکل کورا رہ جائے۔ اگر وہ شکسپیر کے مطالعہ سے بغیر شکسپیر سے دلچسپی پیدا کئے ہوئے فارغ ہو گیا تو اس کی تعلیم (جہاں تک کہ شکسپیر کے مطالعہ کا تعلق ہے) بالکل بیکار رہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ایسی تعلیم ضرر رساں ہے۔ کیونکہ اُس سے اس کے ذہن میں علم کی ایک اہم شاخ کا غلط تصور جم گیا ہے۔ کسی طالب علم کو شکسپیر کی تعلیم دینی ہو تو اُسے شکسپیر سے دلچسپی رکھنا سکھاؤ۔

کہا گیا ہے کہ جو شخص جتنی زبانیں سیکھتا ہے اُتنی ہی وسعت اپنی ذہنی مہارت میں پیدا کرتا ہے۔ اگرچہ اس قول میں لسانیات کے باب میں قوی شبہات کی صریح گنجایش ہے لیکن کسی قدر تبدیلی کے بعد اس کو

یقین کے ساتھ عام دلچسپیوں پر منطبق کیا جا سکتا ہے۔ جس شخص کی دلچسپیاں جتنی زیادہ ہونگی اُتنا ہی اُس کے لیے بہتر ہوگا۔ وہ شخص جو صرف ایک خیال رکھتا ہے ممکن ہے سماج کے لیے مفید ہو لیکن وہ سماج کے اندر رہ کر مفید نہیں ہو سکتا۔ ایسا شخص جو خود ایک واسطہ ہے "بذات خود مقصود نہیں بن سکتا۔ وہ آدمی جس نے پن بنانے کے مختلف عملوں میں سے کسی ایک میں پوری زندگی گزار دی، وہ سماج کے لیے اُس حد تک مفید ہے کہ اس کی بدولت سماج کو پنوں کا عمدہ، وافر اور سستا ذخیرہ حاصل ہوا ہے۔ لیکن وہ سماج کے عام فائدے کے لیے بمشکل کچھ مفید ثابت ہوا۔ گو اتنا ضرور ہے کہ مشین کی طرح چلنے والے کاموں میں یہ بھی کچھ کرتا رہا۔ کوئی شخص غالباً یہ نہ کہے گا کہ پن بنانے کے شغل نے اُسے آدمی کا رتبہ دیا ہے۔

کیا یہ بات قرین عقل ہوگی کہ ایک آدمی کی زندگی اس لئے قربان کر دی جائے کہ پن سستے ہو جائیں؟ تھورو (Thoreau) کے نزدیک یہ بات درست نہ تھی۔ ہم نے سنا ہے کہ بہتر پنسل کے تیار کرنے میں وہ اتنا منہمک تھا کہ آخر کار اس کے ہاتھ سے ایسی چیز بن گئی کہ جس سے اُس کی روزی کا مسئلہ حل ہو گیا۔ لیکن جب دوستوں نے مبارکباد دی تو اس نے یہ حیرت انگیز بات کہی کہ میں اب اس کے بعد پنسل نہیں بنا سکوں گا۔

میں اب دوسری پنسل کیوں بناؤں؟ جس کام کو میں ایک بار کر چکا ہوں میں ہرگز دوبارہ نہ کروں گا" اس وقت سے وہ شاہد فطرت کی حیثیت سے اپنے طبعی رجحان پر قائم رہا اور صرف اسی قدر نفع بخش کام کرتا تھا، جس کی آمدنی سے اس کی ضروریات زندگی پوری ہو جاتی تھیں۔ امرسن (Emerson) اس کے متعلق کہتا ہے کہ "وہ نہ تو کبھی کاہل رہتا تھا نہ نفس پرستی میں مبتلا تھا۔ جب اُسے روپے پیسوں کی ضرورت ہوتی تھی، وہ طول طویل مشغولیت کے کاموں پر معمولی طور سے اپنے دل کو بھانے والے دستی مشاغل کو ترجیح دیتا۔ وہ کبھی کشتی بناتا تھا کبھی پٹہ کبھی درخت یا قلم لگاتا تھا یا زمین کی پیمائش کیا کرتا تھا۔ غرض یہ کہ اس قسم کے مختصر کاموں کو وہ ایسے کاموں پر ترجیح دیتا تھا جن میں طویل مشغولیت کی ضرورت ہوتی ہے"۔

تھورو فلسفی تھا اور فلسفیوں کا خیال ہے کہ آدمی اپنے سماج کے لئے بھلائی کا بہترین کام اُسی وقت کر سکتا ہے جب کہ وہ بہترین کام اپنی ذات کے لئے کرے۔ ایک حیثیت سے یہ عقیدہ خود غرضی کی تلقین کرتا ہے لیکن یہ خود غرضی تنگ اور ذاتی نہیں ہے۔ بلکہ وسیع، عام اور عالمگیر خود غرضی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسان جس حد تک بہتر سے بہتر نفع اپنی فطری استعداد سے اٹھاتا ہے اُسی حد تک اپنا فریضہ دنیا میں انجام دیتا ہے جس کا کہ

وہ ایک جزو ہے۔

ہیگل کے اس شاندار خیال کی طرف ہر بارٹ کے ہمنوا آہستہ آہستہ ڈھلک رہے ہیں کہ تحقیقِ ذات نفس (Self-realisation) کو اپنا مقصود بنانا چاہئیے اور اس مطلب کے لئے دلچسپی کو اس کا تابع کرنا چاہئیے۔ دلچسپیوں کی جانچ کرتے وقت ہم کو یہ دیکھنا چاہئیے کہ انسان کی ترقی میں ان کا کیا اثر پڑ رہا ہے۔ اور ترقی پر اس اعتبار سے نظر ڈالنی چاہئیے کہ انسان کی جگہ دنیا کی عضوی وحدت میں جس میں اُسے زندگی گزارنی ہے، کیا ہے۔ بالفاظ دیگر محض دلچسپیوں کا ہونا ہی کافی نہیں۔ بلکہ صحیح دلچسپیوں کی ضرورت ہے ۔ مضامین کا انتخاب ہمارا ایسا ہو جو ہمارے مشاغل کو ہمارے اردگرد کے تمدن کی سرگرمیوں کا ہم دوش رکھے ۔

یہ خیال ہمیں مطالعہ کے لائحہ اور نصاب تعلیم کے سوال کو لا کھڑا کرتا ہے۔ پروفیسر فنڈلے (Findlay) علم کے اہم مضامین کو ذیل کے چھ شعبوں میں تقسیم کرتا ہے ۔

شعبۂ اول ادبیات

ادبیات علم کی وہ تقسیمیں ہیں جن کا موضوع انسان کی موجودہ یا گزشتہ زندگی پر مشتمل ہے ۔ عہد ماضی کی تاریخ اور ادب، جو انسانی

خیالات کا آئینہ ہے اس میں شامل ہیں۔ یہ سلسلہ قدرتی طور پر چار شاخوں پر حاوی ہے۔

(الف) مذہبی کتب کے درس جو بیک وقت تاریخ اور ادب ہیں۔ (ب) تاریخ پہلے اپنے ملک کی، پھر غیر ممالک اور قدیم اقوام کی (ج) ادب نظم و نثر خصوصاً نظم (د) جغرافیہ جہاں تک انسان کا دنیا میں ہونے کی حیثیت سے اس کا تعلق ہے۔

شعبۂ دوم علوم طبیعہ

یہ شعبہ سارے طبعی علوم پر حاوی ہوگا، جن تک ہمیں حسی تجربہ کی مدد سے رسائی ہوتی ہے۔

شعبۂ سوم علوم مجردہ

مدرسہ میں اس شعبہ کی چیز ریاضی ہوگی۔ آیندہ چل کر منطق، اخلاقیات، مدنیات اور معاشیات کا باقاعدہ طور پر نفع بخش مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

شعبۂ چہارم

فنون جن میں اظہار بذریعہ علامات و نقوش یا مقررہ قاعدوں سے ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں زبان تحریری و تقریری دونوں حیثیت سے داخل

ہو گی اور موسیقی بھی ہو گی۔

شعبۂ پنجم

فنون اشکالی یا طبعی اظہار

اس میں نقش کاری، مصوری اور دستکاری داخل ہوں گے۔

شعبۂ ششم

جسمانی تفریح اور ریاضت۔

اس تقسیم پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے پروفیسر فنڈلے کہتا ہے کہ "ان شعبوں میں سے ہر ایک طالب علم کی زندگی میں ایک نئی شان کا اضافہ کرتا ہے۔ اگر کوئی ایک بھی نظر انداز کر دیا جائے تو ہمارے نزدیک نشو ونما کی ہم آہنگی کا اصول برباد ہو جائے گا۔ چونکہ طالب علم ساری باتوں سے پہلے انسان پیدا ہوا ہے اس لیے لازم ہے کہ وہ ادبیات کا مطالعہ کرے۔ لیکن اسی پر اکتفا نہ کرے۔ اس کو حواس دئے گئے ہیں اور وہ بصارت۔ حسن اور حسن کی دنیا میں رکھا گیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ فطرت کا مطالعہ پس پشت نہ ڈالا جائے۔ وہ صرف صاحب فکر ہی نہیں بلکہ صاحب عمل بھی ہے۔ اُسے اس بات کا حق ملنا چاہیئے کہ وہ بات چیت اور موسیقی کے رسمی فنون میں اپنے خیالات ظاہر کرے۔ میں آخر میں یہ بھی کہوں گا کہ اس کو اس بات کی اجازت ملنی چاہیئے کہ وہ اُن آلات کو استعمال کرے،

جن کی مدد سے وہ طبعی فنون میں اپنے مدعا کا اظہار کر سکے"

مطالعہ کی جو جامع فہرست اوپر دی گئی ہے اگر اس میں سے دانشمندی کے ساتھ مضامین کا انتخاب کیا جائے تو ان سے وسیع عام دلچسپیوں کے پیدا کرنے میں بہت سہولت ہوگی - یہ وہ دلچسپیاں ہونگی جن سے تحقیق ذات نفس (Self-realisation) میں مدد ملیگی -

ہم پہلے اس حقیقت پر زور دے چکے ہیں کہ دلچسپیوں کا مدار ادراکی مواد کی تعمیر پر ہے - اور اُن کا انحصار خیالات کی آمد پر ہے - خیال ایک ذہنی عمل یعنی وقوف ہے - بنظر اول یہ معلوم ہوگا کہ خیالات کی پرداخت کا نتیجہ محض ذہن کی تربیت ہے - لیکن ہربارٹ کے مسلک کا مفہوم اس سے الگ ہے - ہر خیال کا ایک جذباتی پہلو ہوتا ہے اور چونکہ ارادہ کی جڑیں جذبات میں گڑی ہوئی ہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص اپنے جذبات کی پرداخت صحیح طور پر کرتا ہے اپنے ارادے کی پرداخت بھی صحیح طور پر کرتا ہے - مدرس، مصنف اور مقرر کا فرض ہے کہ جس خیال کو وہ پیش کرے اس کے صحیح جذبہ سے تلازم پیدا کرے - کوئی چاہے تو برائی کو ایسا پیش کر سکتا ہے کہ اس سے نفرت اور دہشت کے جذبات برانگیختہ ہوں - حالانکہ یہ بھی ممکن تھا کہ من وعن یہی واقعات اس طرح ظاہر کئے جاتے کہ کچھ اور نہیں تو دلکش نظر آتے - اسکول کا وہ قصہ جو کمینہ پن، دروغ گوئی

اور سرکشی کو سراہتا ہے اس قابل ہے کہ اس کو نذر آتش کیا جائے۔ کیونکہ اس سے نوجوانوں کے اخلاق بگڑتے ہیں۔ تاریخ۔ سوانح حیات۔ نظم اور افسانہ میں خیالات اس طرح پیش کئے جا سکتے ہیں کہ اس سے بلند یا پست جذبات پیدا ہوں۔ یہ سارا کھیل جذبہ پر منحصر ہے جس سے کہ خیال وابستہ ہے۔

تعلیم کا نتیجہ کردار ہونا چاہیئے۔ ہربارٹ کے پیرو اخلاقی تربیت کو وقوف سے جدا پیش کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ساری چیزیں صحیح طور پر خیال کو بنیاد ماننے سے نکلتی ہیں۔ اسی مطلب کو ڈی گارمو (De Garmo) نہایت وضاحت سے بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "طالب علم کو ضبط اور مطالعہ کی مدد سے معلوم کر لینا چاہئیے کہ اس کے اخلاقی تعلقات افراد سے اور معاشرتی، خاندانی، مذہبی، شہری اور معاملاتی جماعتوں کے ساتھ کیا ہیں۔ یہ وہ جماعتیں ہیں جن کے ساتھ ہر بچہ کو جلد یا بہ دیر تمدن جدید کے حالات کے تحت سرگرم اشتراک عمل کرنا ہے۔ صرف اخلاقی تعلقات کا ذہنی ادراک ہونا ہی کافی نہیں بلکہ اخلاقی خیالات کو تدریجاً اخلاقی مطمح نظر کی شکل اختیار کرنا ہوگا۔ یہ عمل اخلاقی افتاد طبیعت کی ترقی سے پورا ہوتا ہے۔ جس کی آفرینش اور رہبری جذبات کی دانشمندانہ برانگیزی اور ان چیزوں میں جبلّی دلچسپی کی پرداخت سے ہوتی ہے، جس

سے سماج میں اعلیٰ کارآمد لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ بچہ کو ہوشمندانہ محبت آمیز اقتدار سے صحیح سیرت پر چلانے سے اُس کی افتاد طبیعت کو اخلاقی عادت میں مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہیں وہ بلند اخلاقی مقاصد جن کو ہربارٹ کے متبعین عملاً پورا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے حصول کے لئے وہ کسی طول طویل اخلاقی نظام کی سفارش نہیں کرتے جس کی بھول بھلیاں میں استاد شاگرد دونوں کے یکساں گم ہو جانے کا خطرہ ہے۔ بلکہ وہ روزمرہ کے تجربہ کی عام حقیقتوں سے کام لیتے ہیں اور ان ہی کو ان چند لیکن جامع اخلاقی اصول کی بنیاد بتاتے ہیں، جس پر ان کے اخلاقی تعلیم کی جدوجہد موقوف ہوتی ہے۔ اخلاقی واقفیت اور رفتار طبیعت کی عادت پیدا کرنے کے لئے وہ بچے کی ذاتی بغیر دبائی ہوئی تمیز پر بھروسہ کرتے ہیں جو نیک و بد میں فرق کرتی ہے۔ کیونکہ مختلف اقسام کی اخلاقی شکلیں یکے بعد دیگرے مدرسہ کے دائمی وسعت پذیر کام کی بدولت اس کی نظر کے سامنے آتی جاتی ہیں"

ہربارٹ کے ماننے والوں کا دعویٰ ہے کہ اگر ہم تعلیم میں دلچسپی کو مناسب جگہ دیدیں تو ہمیں اپنے ملک کی فلاح و بہبود میں نمایاں ترقی نظر آئے گی۔ اس دعوے کے ثبوت میں وہ مختلف ذرائع سے سند پیش کرتے ہیں۔

"آدمی شراب محض اس وجہ سے نہیں پیتا کہ اس کی حیوانی فطرت غالب اور تحریک کی طالب ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ اُس کے لئے اور دلچسپیاں نہیں ہیں۔ اور اُسے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے" (دی ٹائمس اکتوبر ۱۸۷۳ء)۔

"تعلیم کی اشاعت اور سستے ادب کے نشر نے جو عوام کی ضرورت اور مانگ کے بالکل مناسب ہوتا ہے مزدوروں کو شراب خانوں سے روکنے میں بڑا کام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں دارالمطالعہ کے قیام، تقریروں کے انتظام اور معقول تفریحی تدابیر سے بھی مدد ملی ہے" (رائل کمیشن اسکاٹ لینڈ ۱۸۶۰ء)۔

"جاہل اور ناتربیت یافتہ دماغ، خستہ اور مریض جسم، غمناک اور مخرب اخلاق گردوپیش، بے لطفی اور زندگی سے بیزاری ہی وہ برائیاں ہیں جن سے بدی کے بیج سر نکالتے ہیں۔ گرنی میں کام کرنے والی عورتوں کو لیجئے۔ ان بیچاریوں کو کونسی شائستگی نصیب ہوتی ہے؟ کون سی تعلیم اُن کو دی گئی ہے؟ زندگی کی کونسی خوبیاں اُن کو میسر آئی ہیں؟ محبت، مسرت، پیارے اور ستھرے خیالات کا کون جہیز اُن کو ملا ہے؟ اُن کی زندگی پر نظر ڈالئے۔ ان کے دماغ کی تاریکی اور پریشانی کو دیکھئے اور پھر فرمایئے؟ کیا یہ کوئی حیرت کی بات ہے اگر ان حالات کے ہوتے وہ مسکرات

کا استعمال کریں" (از رابرٹ بلاچ فورڈ مارننگ لیڈر ۲- سپٹمبر سنہ ۱۸۹۸ع (Robert Blatchford, "Morning Leader")

"منشیات سے احتراز کے مسئلہ کی تہ میں بڑی حد تک عوام کی تفریح طبع کا مسئلہ ہے۔ کیا تصاویر، کتابیں، عمدہ موسیقی، دل کھولکر ہنسنا اور دلی یارانہ زندگی کی مسرتوں کے صحیح معاون نہیں؟ کیا یہ مناسب نہیں کہ یہ چیزیں گودی میں کام کرنے والے، کوئلہ ڈھونے والے کاریگر اور عام مزدور کے دسترس میں لائی جائیں؟ تاوقتیکہ خالی گھروں کو اُن سے نہ بسایا جائے ارواح خبیثہ ہرگز دور نہیں کئے جاسکتے" (ریورنڈ ول ریزن یونیورسٹی اینڈ سوشیل سٹلمنٹس)۔

"سی سالہ جبری تعلیم کے بعد عوام کے اخلاقی مذاق کو دیکھکر مجھے مایوسی ہوتی ہے۔ یہ ایک اہم سماجی ضرورت ہے جو پوری ہوکر رہتی ہے۔ شراب فروش اس ضرورت کو پورا کرتا ہے اور سارے لوازم بہم پہنچاتا ہے۔ ایک معنے میں وہ اس ضرورت کو دلکش اور دلفریب طریقہ پر پورا کرتا ہے۔ لیکن یہ طریقہ نامناسب ہے۔ اگر ہم شراب فروش کو یہ ضرورت پوری کرنے دیں تو مانع منشیات کے کارندے حشر تک بکتے رہینگے۔ اور کچھ نہ ہوگا۔ کیونکہ لوگ شراب فروش کی مٹھی میں ہیں۔ ہمیں چاہئیے کہ شہری مدارس سے شبینہ جماعتوں کا کام لیں"

(ڈاکٹر پے ٹن ستمبر سنہ ۱۹۰۳ء مڈلینڈ ٹمپرنس کانفرنس
(Dr. Paton, September 1903 Midland Temperance Conference)

"لوگوں کو دلچسپی پیدا کرنی چاہیئے ورنہ اُن کو محض اشتہا کے سہارے جینا پڑے گا۔ معقول دلچسپیاں اور اپنے نج کے شوق کی چیزیں سماج کے ہر طبقہ کے شہد پن کا بہترین تریاق ہے" (مسٹر رچی بمقام ایرڈین ۲۹۔ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء

(Mr. Ritchie at Aberdeen, October, 29, 1903)

"کوئی شخص شراب خانہ میں بیٹھے گا نہ شراب پیئے گا اگر اُسے یہ علم ہو جائے کہ کھلی ہوا میں بیٹھنے اور سوچنے میں کتنی مسرت ہوتی ہے۔ کوئی شخص جوئے اور بازی لگانے میں جوش و خروش نہیں تلاش کرے گا اگر وہ یہ جان لے کہ سائنس اس سے بڑھ کر دلچسپ ہے"۔

لیکن دلچسپی کے پیدا کرنے کے متعلق گفتگو کرنا ایک شئے ہے اور اس کو حقیقتاً پیدا کر دینا دوسری شئے ہے۔ فرض کیجئے کہ مثلاً لارڈ اوربری کے میدان میں بیٹھنے اور سوچنے کے لطف کے خیال سے متاثر ہو کر آپ ایک سخت شرابی مزدور کے پاس گئے اور یہ خبر اس کو پہنچا دی۔ اچھا تو آپ نے کہہ دیا اور وہ آپ کے مطلب سے واقف ہو گیا۔ لیکن کیا اب آپ ایک لحظہ کے لئے بھی سمجھتے ہیں کہ یہ واقفیت اُس شخص کے رویہ میں کچھ

فرق پیدا کریگی؟ تاوقتیکہ آپ اس کے دماغ میں میدان میں بیٹھ کر سوچنے کے متعلق ایسا ہی قوی ادراکی مواد پیدا نہ کردیں جیسا کہ فی الوقت اُس کے دماغ میں پینے کے متعلق جما ہوا ہے، لارڈ اوربری کی کتابی نصیحت بے سود ہی رہیگی۔ مزدور غالباً یہ کہے گا کہ "مجھے علم ہے کہ میدان میں بیٹھکر سوچنے میں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن یہ اُن کے لئے ہے جو اسے پسند کرتے ہیں۔ میں خود اسے پسند نہیں کرتا۔ میں یہ جانتا ہوں کہ شراب خانہ میں بیٹھکر پینے میں مزہ ملتا ہے۔ یہ ان کے لئے ہے جو اُسے پسند کرتے ہیں میں خود اس کو پسند کرتا ہوں۔"

اگر کسی شئے کے لئے ادراکی مواد نہیں پیدا کیا گیا ہے تو آپ پائدار دلچسپی نہیں اُبھار سکتے۔ آرٹیمس وارڈ (Artemus Ward) اپنے ایک سننے والے کی بے حسی پر جو ذرا بھی نہ مسکرایا تھا سخت جھنجلایا تھا اور پوری طاقت صرف کردی کہ وہ کسی طرح ہنس پڑے۔ لیکن اُسے کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے ناکامیاب رہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ شخص بالکل بہرا تھا۔ اکثر اشخاص بعض مضامین میں ایسے ہی بہرے پن کا ثبوت دیتے ہیں۔ تاوقتیکہ ادراکی مواد موجود نہ ہو پیہم دلچسپی کی توقع بے سود ہے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ سستی کتابوں کی اشاعت کا انتظام کرتے ہیں، اصلاحی انجمنیں قائم کرتے ہیں اور کاروباری اشخاص کے لئے مدارس وغیرہ جاری

کرتے ہیں ان کو توقع سے بہت کم کامیابی ہوتی ہے۔ سبب یہ ہے کہ جن لوگوں کو یہ نفع پہنچانا چاہتے ہیں یا تو وہ آتے ہی نہیں یا اگر بدعت پسندی کی وجہ سے ایک آدھ بار آبھی گئے تو بعد میں غائب ہو جاتے ہیں۔ ان کی وجہ یہ ہے کہ ان میں جوابی ادراکی مواد مفقود ہوتا ہے۔ اسی بنا پر یہ امر نہایت اہم ہے کہ ادراکی مواد اُسی وقت ابھارا جائے جب کہ دماغ تازہ اور نقش پذیر ہو۔ جب ارباب تعلیم، اساتذہ، مبلغین، اخبار نویس اور مصنفین ہربارٹ کی تعلیم کی شدید اہمیت کو تسلیم کرنے لگیں، یعنی ایسی تعلیم کو جو دلچسپی کے قانون پر جا کر منتہی ہوتی ہے، تب وہ دن جس کا ہمیں انتظار ہے قریب آجائے گا۔

سترہواں باب

ضروری اور اہم ضمیمہ

ایک مخلص دوست نے اس مسودہ کو شروع سے آخر تک پڑھ کر مجھ سے فرمایا کہ "میں نے آپ کی کتاب کے سولہ باب دیکھے مگر ایک اہم فروگذاشت نے مجھے چونکا دیا۔ شروع سے آخر تک آپ نے بھول کر بھی روح کا کوئی ذکر نہیں کیا"

ان کا ارشاد درست ہے۔ میں نے روح کا کوئی ذکر محض اس لئے نہیں کیا کہ یہ مسئلہ نفسیات کی کتاب کے اغراض و مقاصد سے باہر ہے۔ ہم یہ تو جانتے ہیں کہ انسان کا ایک حسی جسم ہے اور ایک روحانی مگر نفسیات کا تعلق نفس اور جسم سے ہے۔ میں نے ان دونوں (یعنے نفس و جسم) کو ایک ساتھ اس لئے رکھا ہے کہ یہ لازم و ملزوم ہیں اور ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ اس لحاظ سے نفسیات کو خالصتہً طبعی علم کہنا چاہئیے۔ مگر روح کا تعلق روحانیات کے موضوع سے ہے۔

اس باب میں میں نے نفسیات کے حدود سے باہر قدم رکھنے کی جسارت کی ہے۔ اور اس معاملہ میں اپنے ذاتی اعتقادات کا اظہار کیا ہے ممکن ہے کہ یہ اعتقادات سے بڑھ کر ایمان کے درجہ کو پہنچتے ہوں۔ اگر اسی بات کو

فرض کرلیا جائے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ میرے یہ عقاید عام عیسائی مذہب کے ہوں گے -

میرا اپنا انسانی تصور یہ ہے کہ انسان سہ گونہ حیثیت رکھتا ہے جو جسم، نفس اور روح پر مشتمل ہے - اس تصور کو تین ہم مرکز دائروں کی شکل سے ظاہر کیا جاسکتا ہے :-

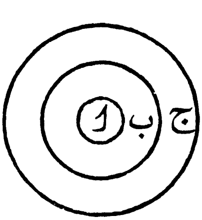

دائرہ ج ، دائرہ ب ، دائرہ ا علی الترتیب جسم، نفس اور روح کو بتلاتے ہیں - جہاں تک نفسیات کا تعلق ہے کوئی شے دائرہ الف میں داخل نہیں ہوسکتی جب تک وہ ج اور ب سے نہ گذر لے - اسی طرح جو کچھ نفس میں موجود ہے اس کی رسائی حواس کی مدد سے وہاں تک ہوئی - یعنے خیالات مہیجوں کی مدد اور حواس کے ذریعہ سے نفس میں داخل ہوتے ہیں اور وہاں ان کے ہجوم، مجموعے اور نظام بننے لگتے ہیں -

خیال کی تین کیفیتیں ہوتی ہیں - یعنی اس میں وقوف - جذبہ اور ارادہ ہوتا ہے - فکر کا طریقہ کار بس ان مشینوں کی طرح ہے جو اکثر ہم ریل کے اسٹیشنوں پر دیکھتے ہیں - ادھر اکنی مشین میں گری اُدھر سگریٹ کی ڈبی یا پلیٹ فارم کا ٹکٹ نکل آیا - اسی طرح جب کوئی

حسی مہیج نفس میں داخل ہوا کہ معاً یہ کل پرزے کام کرنے لگے اور کوئی فعل نتیجے کے طور پر سرزد ہوا - تہیجات کے اثر دھام کو لو - ادھر ان کا دخل نفس میں ہوا اُدھر انسانی سیرت ظاہر ہوئی -

"نفسیات سے ذہنی کل پرزوں کی تشریح ہوتی ہے - اور اس طرح جو علم ہم نفسیات سے حاصل کرتے ہیں وہ لازماً ہمارے لئے بے حد اہم ہوتا ہے - لیکن اس نتیجہ سے اِنکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ علم (نفسیات) اس قانون کے مطابق ہے کہ عِلت سے ارادہ کا تعین ہوتا ہے - نیز اس کا تعلق ایسے نفس سے ہے، جس کی ترکیب و تشکیل خارجی اور محض خارجی اثرات سے ہوتی ہے - غرض کہ ہمارے فن کی تشکیل بجز خارجی اثرات کے کسی اور چیز سے نہیں ہوتی -

اب روح کے تصور کو بحیثیت ایک مرکزی تعمیری قوت کے تسلیم کیا جائے تو نفسیات کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے - یعنے نفس کا نقطہٗ نظر ہی بالکل بدل جائے گا - گویا بیرونی واقعات پر نفس کا مدار ہونے کے بجائے روح پر ہوگا -

لانگ فلو (Longfellow) کہتا ہے کہ "روح خوابیدہ بے جان ہے" لیکن یہ بیان درست نہیں - گو تمام روحیں نوبت بہ نوبت خوابِ غفلت میں رہتی ہیں مگر کوئی روح بے جان نہیں ہے - افادی اور انبساط کی

زندگی حقیقت میں فطرت پسند زندگی ہے - یہ فاعلی اور موضوعی کیفیت ہے جو خارجی اثرات سے ترقی پاتی ہے - اس میں روحانیات کی کارسازی یا کوئی جھلک نہیں ہوتی - وہ زندگی جو خیر و صداقت اور جمالیات کے مکمل نمونوں سے معمور اور آراستہ ہو حقیقت میں روحانی زندگی ہے؛ یعنے اس زندگی کی فعلیت روح کی مرکزی کارفرمائی سے ترقی پاتی ہے -

پس اس طرح حِسّی زندگی اور روحانی زندگی میں ایک قسم کا تضاد ہے - جو اعلیٰ قسم کی شخصیتیں ہیں ان کے لئے حِسّی زندگی سے بالکلیہ قطع تعلق ناگزیر ہے - اس قطع تعلق کی نوعیت مندرجہ ذیل تین مدارج کی اسکیم سے واضح ہو سکتی ہے -

(۱) فطری دور جس میں حواس - اقتضائے وقت اور رائے عامہ کے تحت زندگی کے کاروبار انجام پاتے ہیں -

(۲) سلبی دور جس میں انسان رسم و رواج کی جکڑ بندیوں سے قطع تعلق کر لیتا ہے اور انفرادی زندگی کو تقویت پہنچتی ہے - یہاں تک کہ اس کا قریبی اتصال ذات مطلق سے ہو جاتا ہے -

(۳) تعمیری دور جو فی الحقیقت صحیح روحانی آزادی کا دور ہے، اس میں ہم من حیث الانسان کائنات کی روحانی قلب ماہیت میں ممد ہوتے ہیں -

پس یہ مناسب ہے کہ روح یعنے حقیقی ذات انسان خواب غفلت سے بیدار ہو اور عالم احساس سے وہ روحانی عالم میں خدا کی طرف رجوع ہو۔ پھر انسان مشرف اور برگزیدہ ہو کر کچھ سے کچھ ہو جائے گا۔

خاتمہ پر غالباً اس سے بہتر کچھ نہ ہو گا کہ میں ذیل کی عبارت یوکن کے "فلسفہ حیات" (Boyce Gibson's "Rudolf Eucken's Philosophy of life") سے پیش کر دوں۔

"سلبی تحریک جو انسان کو اس کی خود محوی اور اس کی خواہشات کی غلامی سے خدا کی طرف لے جائے۔ یعنے وہ تحریک جو جیسی زندگی سے مطالعہ باطن اور اس سے خدا تک پہنچائے بلا شبہ وہ ہماری "ذات" کا اظہار اور اس کی حقیقی نجات کا وسیلہ ہے۔ یہ تحریک ہماری شخصیت کے لایعنی میلانات اور رجحانات کے تعین کے لئے بچاؤ کا کام دیتی ہے۔ اور اس حیثیت سے ہماری آزادی کے لئے ایک ناگزیر ابتدائی تمہید ہے۔ شخصیت کی حفاظت حقیقت میں آزادی کی حفاظت ہے۔ اور اس کی حفاظت میں جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ سلبی تحریک کی حقیقت اور اہمیت مضمر ہے۔ اثباتی تحریک یہ ہے کہ دنیا کو روحانی کمال کے نمونوں سے جو فن اخلاق اور مذہب پر مشتمل ہیں ہم آہنگ اور وابستہ کرتے ہوئے اُسے نجات اور مخلصی دلائے۔ اگر ان روحانی کمال کے نمونوں کو سہارا دینے والی

قوت سے قطع نظر کر لی جائے تو ہماری شخصیت گھٹ گھٹا کر کارخانہ عالم میں ایک بے مصرف آویزہ کے برابر رہ جائے گی۔ یہ نجات اور مخلصی دلانے کا عمل انسانی آزادی، نجات طبعی کے اقتضا اور مشیت ایزدی کے مابین گہرے ربط اور ہم آہنگی پر مبنی ہے۔ اسی کے بنیادی یقین میں ہم اخلاق اور مذہب کا اتحاد پاتے ہیں۔ اخلاق کے قیام کے لئے مذہبی بنیاد کا شدید استحقاق اسی سے نکلتا ہے۔ اور یوکن کے فلسفہ کا قیام بھی زندگی کے اخلاقی مذہبی فلسفہ کے اسی عقیدہ کا ضروری جزو ہے"

فہرست اصطلاحات

A.

Abstract.	مجرّد -
Active.	عامله - فاعلی - فعلی -
Ambition.	حوصلہ مندی - بلند ہمتی -
Analogy.	تمثیل -
Analysis.	تحلیل -
Analytic.	تحلیلی -
Apperception	ادّراك -
Apperception Masses.	ادّراکی مواد -
Arrest.	روك - مزاحمت -
Assimilation, Process of.	عمل انجذاب -
Association.	تلازم -
Associative areas.	تلازمی رقبات -
Astronomer.	ماہر فلکیات -
Attention.	توجہ -
Atoms.	سالمات -
Auditory.	سمعی -

B.

Binomial theorem.	مسئلہ ثنائی -
Botanist.	عالم نباتیات -
Brain connections.	تلازمات دماغی -
Bronchitis.	ذات الریہ -

C.

Centre.	مرکز -
Civics.	مدنیات -
Cognition.	وقوف -
Complex states of consciousness.	مخلوط شعوری حالتیں -
Complex aggregates.	مخلوط مجموعے
Concept.	تعقّل -
Concrete.	عینی - مقرون -
Consciousness.	شعور -
Conclusion.	نتیجه -
Contrary.	متضاد -
Conventional expression.	رسمی یا رواجی اظهار -
Copula.	نسبت - رابطه -
Cortex.	قشر -
Current.	رَو -
Culture.	کلچر -

D.

Deductive.	استخراجی -
Delusion.	دهوکه -
Descriptive psychology.	تشریحی نفسیات -
Disparate.	متغائر -

Dome of consciousness.	گنبد شعور -
Dual personality.	دوهری شخصیت -
Dynamic.	حرکی -

E.

Economics.	معاشیات -
Ego.	ایغو -
Educational handwork.	تعلیمی دستکاری -
Emotion.	جذبه -
Emotional.	جذباتی -
Excitations.	تہیّجات -
External ideas.	خارجی تصورات -

F.

Faculty theory.	شعبہ جاتی نظریہ -
Field of consciousness.	حیطۂ شعور -
Focus of attention.	ماسکہ یا مرکز توجہ -
Formal education.	صوری تعلیم -
Fusion.	اختلاط - گداز - میل ملاپ -

G.

Generalisation.	تعمیم -
Geology.	ارضیات -
Glands.	غدود -

H.

Hallucination.	واہمیت -

Harmonious development.	متناسب نشو و نما -
Homogeneous whole.	متجانس تامات متجانس کُل -
Hypothesis.	مفروضه -

I.

Ideas.	خیالات - تصورات -
Idealism.	مثالیت - تصوریت -
Illusion.	التباسِ حواس -
Image.	شبیه -
Imagination.	تخیل -
Immediate recall.	فوری تذکّر -
Impressions.	ارتسامات - نقوش -
Inertia.	جمود -
Impulsive process.	هیجانی ~~طریقه~~ - عمل
Ingeneous memory.	حافظه رسا -
Inductive.	استقرائی -
Intellect.	عقل -
Intentional.	ارادی - قصدی -
Interest.	دلچسپی - ذوق - غرض -
Internal apperception	داخلی ادراك -
Internal ideas.	داخلی تصورات -
Introspection.	معائنه باطن - تامّل -
Involuntary.	غیر ارادی -

J.

Judicious memory.	حافظہ تمیزی ۔
Judgment.	تصدیق ۔ فیصلہ ۔

L.

Law of co-existence.	قانون ہم وجودیت ۔
Law of contiguity.	قانون مقاربت ۔
Law of contrast.	قانون اضداد ۔
Law of similarity.	قانون مشابہت ۔
Law of succession.	قانون تواتر ۔ قانون تسلسل ۔
Life of sense.	حیات حسی ۔

M.

Masses.	مجموعے
Mediate recall.	بعیدی تذکر ۔
Mental content.	ذہنی مشمولات ۔ محتویات ذہنی ۔
Mental vacancy.	ذہنی تعطل ۔ ذہنی خلا
Mental life.	حیات ذہنی ۔
Method of analysis.	تحلیلی طریقہ ۔
Method of synthesis.	ترکیبی طریقہ ۔
Method of analogy.	طریقہ تمثیل ۔
Metaphysics.	مابعد الطبیعات ۔
Middle term.	حدّ اوسط ۔
Mind.	نفس ۔ ذہن ۔
Major premise.	مقدمہ کبری ۔

Minor premise.	مقدمہ صغریٰ -
Molecule.	مکسرہ -
Motor impulse.	حرکی ہیجان -
Motor nerves.	حرکی اعصاب -
Motive power.	حرکی قوت -
Muscles.	عضلات -
Muscular movement.	حرکت عضلی -
Muscular tension.	عضلاتی تناؤ -

N.

Natural sciences.	طبعی علوم -
Natural expression.	طبعی اظہار -
Negative.	منفی -
Nerve fibres.	عصبی ریشے -
Nerve cells.	عصبی خلایا -
Nerve process.	عصبی عمل -
Nervous system.	نظام عصبی -

O.

Observation.	مشاہدہ -
Object.	شئے - معروض -
Olfactory.	شمی -
Opposition.	تخالف -
Organic whole.	عضوی کُل -
Overlapping.	متراکب -

P.

Passive.	انفعالی -
Pedagogical practice.	تدریسیاتی عمل -
Perception.	ادراك -
Percept.	درك -
Perceptional delusion.	ادراکی توہم - دھوکہ -
Phenomena.	مظاہر -
Plastic.	ملائم - نرم - اثر پذیر -
Pons asinorum.	شکل حماری -
Positive.	اثباتی -
Postscript.	ضمیمہ -
Predicate.	محمول -
Presented content.	احضاری ،شمولات -
Presentative activity.	استحضاری فعلیت -
Process of association.	عمل ایتلاف یا تلازم -
Process of Synthesis.	ترکیبی عمل -
Proposition.	قضیہ - مقدمہ -
Phrenology.	علم کاسۂ سر
Psychology.	نفسیات -
Physical recreation.	جسمانی تفریح -
Physiology.	عضویات -
Physical.	جسمانی -
Psychical.	نفسی -

R.

Reaction.	ردّعمل -
Reasoning.	استدلال -
Recepts.	محصلات -
Reflection.	خوض -
Relative.	اضافی -
Representation, Arts of	فنون اشکالی -
Respiratory.	تنفسی -
Responsive.	جوابی
Retentiveness of memory.	حافظہ کی ماسکیت -
Retina.	شبکیّہ -

S.

Second thoughts.	تصورات ثانیہ -
Secondary passive.	ثانوی انفعالی -
Self-acting.	خود فعلی -
Self-realisation.	تحقّق ذات -
Self-preservation.	تحفظ ذات -
Sensations.	تحسّسات -
Sense Organs.	آلاتِ حسّی -
Sensory nerves.	حسّی اعصاب -
Sensory system.	نظام حسّی -

Sense excitation.	حسّی تہیج - تموج حسّی -
Sensitive.	حسّاس -
Society.	سماج - معاشرہ
Sociology.	عمرانیات -
Social culture.	سماجی کلچر -
Soul.	روح -
Spiritualism.	روحانیات -
Subjectivity.	موضوعیت -
Subject.	موضوع - معمول -
Sub-consciousness.	تحت الشعور -
Super-natural.	فوق الفطرت -
Stimulus.	مہیج -
State of abstraction.	حالت تجرید -
Statical.	سکونی - جمودی -
Syllogism.	قیاس -
Symbolical expression.	علاماتی اظہار -
Synthetic.	ترکیبی -
System.	نظام -

T.

Tactile.	لمسی -
Temporary equillibrium.	عارضی توازن یا تعدیل -
Test tube.	امتحانی نلی -

Thought.	خیال ۔
Threshold of consciousness.	آستانہ شعور ۔
Trigonometry.	علمِ مثلّث ۔

U.

Utility.	فائدہ ۔ افادہ ۔

V.

Vasomotor.	محرّک ادعیہ ۔
Vibrations.	ارتعاشات ۔
Visual.	بصری ۔
Volition.	ارادیت ۔

W.

Wave of consciousness.	شعور کی لہر ۔
Will.	ارادہ ۔

مطبوعه دارالطبع سرکار عالی